فسانۂ عجائب

رجب علی بیگ سرور

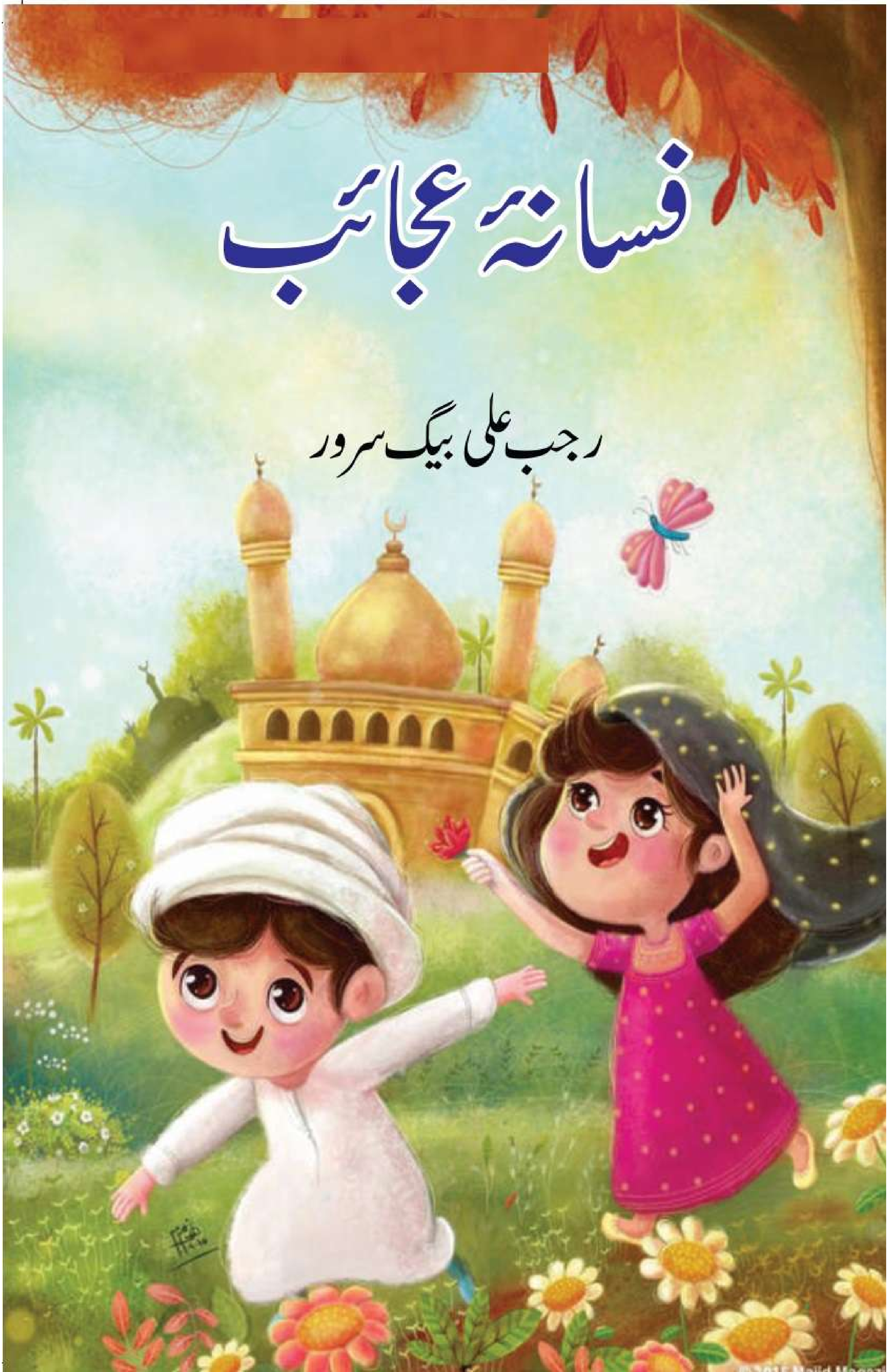

فسانۂ عجائب

رجب علی بیگ سرور

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

فسانۂ عجائب

رجب علی بیگ سرور

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
فروغِ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی-110025

(C) قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی

سنہ اشاعت :
پہلا ایڈیشن :
تعداد :
قیمت : -/ روپے
سلسلۂ مطبوعات :

Fasana-e-Ajaib

by

Rajab Ali Beg Soroor

ISBN : 81-7587-126-1

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ،
نئی دہلی-110025، فون نمبر:49539000، فیکس:49539099
شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک-8، آر-کے-پورم، نئی دہلی-110066 فون نمبر:26109746
فیکس:26108159 ای-میل:ncpulsaleunit@gmail.com
ای-میل:urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ:www.urducouncil.nic.in
طابع: جے-کے-آفسیٹ پرنٹرز، بازار مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی-110006
اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

پیارے بچو! علم حاصل کرنا وہ عمل ہے جس سے اچھے برے کی تمیز آ جاتی ہے۔ اس سے کردار بنتا ہے، شعور بیدار ہوتا ہے، ذہن کو وسعت ملتی ہے اور سوچ میں نکھار آ جاتا ہے۔ یہ سب وہ چیزیں ہیں جو زندگی میں کامیابیوں اور کامرانیوں کی ضامن ہیں۔

بچو! ہماری کتابوں کا مقصد تمھارے دل و دماغ کو روشن کرنا اور ان چھوٹی چھوٹی کتابوں سے تم تک نئے علوم کی روشنی پہنچانا ہے، نئی نئی سائنسی ایجادات، دنیا کی بزرگ شخصیات کا تعارف کرانا ہے۔ اس کے علاوہ وہ کچھ اچھی اچھی کہانیاں تم تک پہنچانا ہے جو دلچسپ بھی ہوں اور جن سے تم زندگی کی بصیرت بھی حاصل کرسکو۔

علم کی یہ روشنی تمھارے دلوں تک صرف تمھاری اپنی زبان میں یعنی تمھاری مادری زبان میں سب سے موثر ڈھنگ سے پہنچ سکتی ہے اس لیے یاد رکھو کہ اگر اپنی مادری زبان اردو کو زندہ رکھنا ہے تو زیادہ سے زیادہ اردو کتابیں خود بھی پڑھو اور اپنے دوستوں کو بھی پڑھواؤ۔ اس طرح اردو زبان کو سنوارنے اور نکھارنے میں تم ہمارا ہاتھ بٹا سکو گے۔

قومی اردو کونسل نے یہ بیڑا اٹھایا ہے کہ اپنے پیارے بچوں کے علم میں اضافہ کرنے

کے لیے نئی نئی اور دیدہ زیب کتابیں شائع کرتی رہے جن کو پڑھ کر ہمارے پیارے بچوں کا مستقبل تابناک بنے اور وہ بزرگوں کی ذہنی کاوشوں سے بھرپور استفادہ کرسکیں۔ ادب کسی بھی زبان کا ہو، اس کا مطالعہ زندگی کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

پروفیسر شیخ عقیل احمد

ڈائرکٹر

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

وزارتِ ترقی انسانی وسائل، حکومتِ ہند، نئی دہلی

تعارف

قصہ جان عالم اور انجمن آرا کا رجب علی بیگ سرور کی لکھی ہوئی ایک داستان ہے۔ اس کا اصل نام فسانۂ عجائب ہے۔

سرور سے پہلے میر امن نے باغ و بہار کے نام سے ایک قصہ لکھا تھا جسے آپ پڑھ چکے ہیں۔ ترقی اردو بورڈ کی طرف سے اسے ''چار درویشوں کا قصہ'' کے نام سے پیش کیا جا چکا ہے۔ انگریز تجارت کے ارادے سے ہمارے ملک میں داخل ہوئے لیکن ان کے قدم یہاں جمنے لگے تو انھیں اردو سیکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس کے لیے کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم کیا گیا لیکن اردو میں ایسی کتابیں نہیں تھیں جو انگریز افسروں کو پڑھائی جا سکیں۔ اس لیے کالج میں ایسے لوگوں کو ملازم رکھا گیا جو آسان زبان میں کتابیں تیار کر سکیں۔ ان لوگوں میں سے ایک دلّی کے میر امن بھی تھے۔ انھوں نے چار درویشوں کے قصے کو آسان اور بول چال کی زبان میں پیش کیا اور باغ و بہار اس کا نام رکھا۔

کتاب کے شروع میں میر امن نے دہلی کا باشندہ اور اہل زبان ہونے پر فخر کیا ہے۔ لکھنؤ والوں کو یہ بات ناگوار ہونی لازمی تھی۔ لکھنؤ اور دہلی کے ادیبوں میں برابر چوٹیں ہوتی رہتی تھیں۔ فسانۂ عجائب بھی ایسی ہی ایک چوٹ ہے۔ رجب علی بیگ سرور نے کتاب لکھ کر میر امن کی باغ و بہار کا جواب دیا ہے۔ میر امن نے اپنی کتاب آسان زبان میں لکھی تھی۔

سرور نے ادبی زبان کو پسند کیا۔

آپ یہ ضرور جانتے ہوں گے کہ شعروں میں قافیے ہوتے ہیں۔غالب کا ایک شعر ہے۔

کوئی امید بر نہیں آتی
کوئی صورت نظر نہیں آتی

دونوں مصرعوں کے آخر میں ''نہیں آتی'' کو دہرایا گیا ہے۔اسے ردیف کہتے ہیں۔ ردیف سے پہلے دونوں مصرعوں میں 'بر' اور 'نظر' ہیں۔ یہ قافیے کہلاتے ہیں۔ ہماری زبان ابتدائی حالت میں تھی تو اس میں بھی قافیوں کا استعمال ہوتا تھا۔ غالب نے اس انداز کو ترک کر کے سادہ زبان استعمال کی مگر کہیں کہیں تفریحاً وہ بھی ایسی زبان لکھ جاتے ہیں۔

یہ رامپور ہے
دارالسرور ہے
جو لطف یہاں ہے
وہ اور کہاں ہے

کئی خطوں کے آخر میں لکھا ہے ''جواب کا طالب...غالب۔''سرور لکھتے ہیں۔

اس کا فیروز بخت نے جان عالم نام رکھا
شب و روز پرورش سے کام رکھا۔

اس میں نام اور کام قافیے ہیں بلکہ یہاں تو ردیف (رکھا) بھی موجود ہے۔ ایسی عبارت کو جس میں قافیے استعمال کیے گئے ہوں یا تک ملائی گئی ہو، مقفی عبارت کہتے ہیں سرور نے فسانۂ عجائب میں اسی انداز کو اپنایا ہے۔ اس زبان کو سمجھنا آسان بات نہیں۔ پڑھنے والا لفظوں میں کھو کے اور قافیوں میں الجھ کے رہ جاتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ زبان کا مزہ تو آ گیا مگر بات سمجھ میں نہ آئی۔ اسی خیال سے ہم نے فسانہ عجائب کو آسان اور سادہ زبان میں پیش کیا ہے۔ کہیں کہیں ہم نے بھی تک ملا دی ہے تو وہ اس لیے کہ آپ کتاب کے اصل انداز سے بھی واقف ہو جائیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ایسی زبان مصنوعی یعنی بناوٹی ہوتی ہے اور اس کے لکھنے میں بڑی

محنت کرنی پڑتی ہے۔ ذرا سوچیے کہ آپ کسی ضروری خط کا سیدھی سادی زبان میں جواب دینے کے بجائے تک سے تک ملانے لگیں تو کتنا وقت برباد ہوگا۔ ایسی نثر سے کیا فائدہ جس میں آدمی اپنے دل کی بات صاف صاف نہ کہہ سکے۔ تک سے تک ملائی ہو تو آدمی شاعری کیوں نہ کرے۔

مطلب یہ کہ ایسی نثر لکھنے میں بہت محنت کرنی پڑتی ہے اور اب لوگ اسے پسند نہیں کرتے۔ مگر سرور کی محنت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اس کتاب کی عبارت کو بار بار درست کیا اور اٹھارہ دفعہ اس کی نوک پلک سنواری۔

باغ و بہار کی طرح فسانۂ عجائب بھی ایک داستان ہے۔ داستانیں فرصت کے زمانے کی پیداوار ہوتی ہیں۔ اس لیے اس میں قصے میں سے قصہ پھوٹتا ہے۔ بات میں سے بات نکلتی ہے۔ فرصت جو ٹھہری۔ اس کتاب میں بھی آپ یہی دیکھیں گے۔ بندر چڑی مار کی بیوی سے کہتا ہے ''لالچ سے باز آ اور مجھے شہزادے کے ہاتھ مت بیچ۔ خواہ مخواہ میری جان جائے گی۔ تو نے خدادوست کا قصہ نہیں سنا کہ اللہ کے راستے میں ایک سلطنت دی اور دو پائیں۔'' عورت پوچھتی ہے ''ہنومان جی، وہ کیسے؟'' اور ہنومان بھی قصہ شروع کر دیتے ہیں۔ اسی طرح جڑواں بھائیوں کی کہانی درمیان میں آ جاتی ہے۔

داستان کی دوسری پہچان یہ ہے کہ اس میں اصلی دنیا کم ہوتی ہے، خیالی دنیا زیادہ۔ ایسے بے شمار واقعات بیان کیے جاتے ہیں جنھیں آج عقل تسلیم نہیں کرتی۔ قدم قدم پر جنوں، بھوتوں، دیوزادوں، پریوں اور جادوگروں سے ہماری ملاقات ہوتی ہے۔ ہر طرف شہزادے شہزادیاں نظر آتے ہیں اور وہ بھی سب کے سب ایسے حسین کہ چاند سورج کہ انھیں دیکھ کے شرمائیں۔ فسانۂ عجائب میں اس طرح کی خیالی مخلوق کی کمی نہیں۔

تیسری بات یہ کہ داستان میں ہمیشہ سچ کی جیت ہوتی ہے۔ ہیرو کیسی ہی مصیبت میں کیوں نہ پھنس جائے ہمیں یقین ہوتا ہے کہ آخر میں وہ اپنے سارے دشمنوں کو مات دیدے گا۔ شہزادے کو جادو سے بندر بنا دیا جاتا ہے مگر وہ پھر بھی اپنی اصلی شکل میں آ جاتا ہے اور اپنے دشمن کو بکری کا بچہ بنا کے ذبح کرا دیتا ہے۔ انجمن آرا کا کٹا ہوا سر چھینکے پر رکھا نظر آتا ہے لیکن جادو کا

پھول سنگھانے سے وہ اپنے دھڑ سے جڑ جاتا ہے اور شہزادی دیو کی قید سے رہائی پاتی ہے۔ شہزادہ جادوگروں اور دیوزادوں سے مقابلہ کر کے انھیں شکست دے دیتا ہے۔

ان داستانوں کا ایک عیب یہ تھا کہ ان کی خیالی دنیا میں کھو کر انسان ذرا دیر کے لیے اپنی اصلی دنیا کو بھول جاتا تھا۔ لیکن یہ دنیا اور اس کی دنیا کی مصیبتیں انسان کو کیسے بھول سکتی تھیں۔ اس لیے یہ خیال پیدا ہوا کہ قصے کہانی کو اس طرح لکھا جائے کہ اس میں ہماری اصلی دنیا نظر آئے تاکہ ہم اسے اچھی طرح سمجھ سکیں۔ جب قصے کو اس طرح لکھا گیا تو ناول نے جنم لیا۔ ناول میں خیالی اور فرضی باتیں نہیں ہوتیں، زندگی کی سچی تصویریں ہوتی ہیں۔ اس میں ایسے واقعات کا ذکر ہوتا ہے جو ہماری زندگی میں روز پیش آتے رہتے ہیں یا آسکتے ہیں۔ ناول میں جن بھوت اور جادوگرنیاں نہیں ہوتیں، وہ لوگ ہوتے ہیں جنھیں ہم روز اپنے چاروں طرف دیکھتے ہیں۔ ناول میں قصہ در قصہ بھی نہیں ہوتا بلکہ ایک ایسا پلاٹ ہوتا ہے۔ پلاٹ قصے کے اس ڈھانچے کو کہتے ہیں جس کے گرد کہانی گھومتی ہے۔

ہماری زبان کے پہلے ناول نگار نذیر احمد ہیں۔ ان کا ایک ناول توبۃ النصوح ''النصوح کا خواب'' کے نام سے آسان زبان میں پیش کیا جا چکا ہے۔ اس کے بعد آپ کو جن ناولوں کا مطالعہ کرنا چاہیے وہ ہیں محمد ہادی رسوا کا امراؤ جان ادا اور پریم چند کے ناول میدان عمل اور گئودان۔

فسانۂ عجائب کے بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ یہ بھی ایک داستان ہے کیونکہ اس میں قصے میں سے قصہ نکلتا ہے، ایسے واقعات ملتے ہیں جنھیں عقل تسلیم نہیں کرتی اور ہیرو یعنی جان عالم کو ہر جگہ فتح یاب اور کامیاب دکھایا جاتا ہے۔ یعنی اس میں داستان کی ساری خصوصیتیں پائی جاتی ہیں لیکن اس میں کسا ہوا پلاٹ بھی موجود ہے۔ اس میں کئی ایسے کردار بھی موجود ہیں جو حقیقی دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ اس طرح فسانہ عجائب داستان ہونے کے باوجود ناول سے بھی کسی حد تک قریب ہے۔

نورالحسن نقوی

شعبہ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

فہرست

1۔	قصہ جان عالم اور انجمن آرا کا	1
2۔	شہزادے کا توتا خریدنا اور انجمن آرا کے حسن کا ذکر سننا	3
3۔	جان عالم کا سفر پر روانہ ہونا	7
4۔	ملکہ مہر نگار سے جان عالم کی ملاقات	15
5۔	شہزادے کا ملک زرنگار میں پہنچنا	24
6۔	شہزادے کی انجمن آرا سے شادی	36
7۔	شہزادہ شہزادی کی روانگی	44
8۔	مہر نگار سے دوبارہ ملاقات	48
9۔	وزیرزادے کی نمک حرامی	51
10۔	شہ یمن کا قصہ	61
11۔	جادوگرنی سے مقابلہ	72
12۔	شہزادے کا جہاز تباہ ہونا	77
13۔	جڑواں بھائیوں کی کہانی	79
14۔	انجمن آرا سے ملاقات	83
15۔	مہر نگار کا احوال	86
16۔	مہر نگار سے ملاقات	88
17۔	وطن کو واپسی	90

1

قصہ جان عالم اور انجمن آرا کا

کہتے ہیں ملک ختن میں ایک شہر تھا۔ فسحت آباد، ایسا پر رونق اور ایسا خوب صورت کہ جنت اس کے گلی کوچوں کو دیکھ کر شرمائے، جو دیکھے یہیں رہنے کی تمنا کرے۔ یہاں کے بازاروں کی چہل پہل دیکھنے کے قابل، سڑکیں ہموار اور صاف شفاف، مکانات مضبوط اور شاندار۔ اس شہر میں بسنے والے ہر طرح خوش اور خوش حال۔ اس ملک کا بادشاہ بھی بڑی شان و شوکت والا تھا۔ اس کے خدمت گار بھی ایسے تھے کہ سکندر اور دارا جیسے بادشاہ بھی کیا ہوں گے۔ اس بادشاہ کا نام فیروز بخت تھا۔

اس میں شک نہیں کہ فیروز بخت قسمت کا سکندر تھا۔ اللہ نے سب کچھ دیا تھا مگر اس کے کوئی اولاد نہ تھی اور ہر وقت رو رو کے اللہ سے دعا کرتا تھا کہ اسے ایک بیٹا بخش دے۔ آخر اس کی دعا قبول ہوئی اور اس کے یہاں بیٹا پیدا ہوا۔ باپ نے جان عالم نام رکھا۔ جان عالم کو خدا نے وہ صورت شکل دی تھی کہ چودھویں کا چاند اس کی برابری نہ کر سکے۔ یہ بچہ کیا پیدا ہوا محل میں عید ہوگئی۔ بادشاہ نے اس خوشی میں اپنی رعایا کو بھی شریک کیا۔ ہزاروں قیدیوں کو رہا کیا۔ ان گنت لونڈی غلام آزاد کیے۔ شاہی خزانہ ایسا کھلا کہ ملک میں کوئی محتاج نہ رہے۔ ایک سال کا خراج غریب رعایا کو معاف کیا۔ جگہ جگہ مسجدیں، مدرسے، سرائیں اور مسافر خانے تعمیر کیے۔ غرض یہ کہ سارے شہر میں خوب دھوم دھام ہوئی اور ساری رعایا شاد کام ہوئی۔

نجومی، پنڈت بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے اور حساب لگا کے بولے۔''مہاراج کا بول بالا رہے۔ ہماری پوتھی بتاتی ہے کہ شہزادہ بڑا قسمت والا ہے۔بھگوان چاہے تو جلد راج پر براجے، چاروں کھونٹ نام باجے، ایسا بیاہ ہو کہ سنسار میں دھوم مچے مگر پندرھواں برس بھاری ہے۔ایک پکھیرو شہزادے کے ہاتھ آئے گا۔تریا کی کھٹ پٹ سے وہ بچن سنائے گا کہ شہزادہ راج پاٹ چھوڑ کے دیس بدیس بھٹکے گا، کوئی اس کے پاس نہ پھٹکے گا۔شہزادہ ان گنت کشٹ اٹھائے گا۔ پر ایک دن چھٹکارا پائے گا۔ایک سندر رانی ہاتھ آئے گی جو چرنوں پر جی وارے گی۔ اس رانی کا باپ بگڑے کام بنائے گا اور ایسے گر سکھائے گا جس سے بیری مارے جائیں اور منہ کی کھائیں۔ایسا سمے بھی آئے گا کہ نرناری لڑیں گے اور پرتھوی پر ہل چل پڑے گی۔اپنے چھوٹ جائیں گے۔نگر نگر کھوج کرائیں گے۔ پر سب بچھڑے مل جائیں گے۔شہزادہ راج کرے گا۔دیا دھرم کے کاج کرے گا۔بھگوان کی دیا سے جان کی کھیر ہے پر دور پار کی دھرتی کی سیر ہے۔''

بادشاہ نے نجومیوں کی یہ باتیں سنیں تو بڑا غمگین ہوا۔ پھر بولا''اللہ جو کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے۔'' آخر سب کو انعام سے مالا مال کر کے رخصت کیا۔اب شہزادے کی پرورش کی طرف توجہ کی اور ایسا انتظام کیا کہ کسی بات کی کمی نہ رہ جائے۔اس نے بھی وہ ہاتھ پاؤں نکالے کہ جو دیکھے حیران ہو۔دس برس کا تھا مگر پورا جوان دکھائی دیتا تھا۔طاقت ایسی کہ ہرن کے سینگ چیر ڈالے، مست ہاتھی کے ٹکڑے کر دے، جو جو ہنر شہزادے سیکھتے ہیں وہ الگ حاصل کیے۔صورت شکل پہلے ہی بے مثال تھی۔اب تندرستی میں بھی لاجواب ہے۔ ہر فن میں کمال حاصل ہوا۔ چودھواں برس پورا ہونے لگا تو درباریوں نے صلاح دی کہ اب شہزادہ اللہ کے کرم سے جوان ہوا، شادی کا بندوبست ہونا چاہیے۔تلاش شروع ہوئی۔آخر ایک بہت خوب صورت اور نیک طبیعت شہزادی ماہ طلعت سے جان عالم کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوگئی۔

شہزادے کا توتا خریدنا اور انجمن آرا کے حسن کا ذکر سننا

شادی کے بعد بادشاہ کی اجازت سے شہزادہ جان عالم صبح شام گھوڑے پر سوار ہو کر سیر کو نکلنے لگا۔ ایک دن بازار سے شہزادے کا گزر ہوا۔ ایک جگہ بھیڑ نظر آئی۔ دیکھا ستر اسی برس کا ایک آدمی نہایت بوڑھا ہاتھ میں توتے کا پنجرہ لیے کھڑا ہے۔ شہزادے کو دیکھ کر توتے نے اپنے مالک سے کہا "لے تیرا نصیب جاگا۔ تیری غریبی اب کوئی گھڑی کی مہمان ہے۔ میں کیا ہوں۔ ایک مٹھی پر اور بلی کا کھاجا مگر شہزادہ مجھے پسند کر لے تو ابھی موتیوں سے تیرا دامن بھر دے۔"

شہزادے نے ایک پرندے کو یوں فرفر بولتے سنا تو حیران رہ گیا، عقل کے توتے اڑ گئے۔ پنجرہ ہاتھ میں لے کے دام پوچھے۔ بوڑھا جواب دینے ہی کو تھا کہ توتا جھٹ سے بول پڑا "غریب کے مال کا مول کون دیتا ہے۔ سب اونے پونے لے لیتے ہیں۔"

جان عالم نے لاکھ روپے تو قیمت دی اور انعام الگ سے دیا۔ شہزادہ توتے کا پنجرہ لیے محل میں داخل ہوا اور ماہ طلعت کو توتا دکھا کے بولا ؎

بازار ہم گئے تھے اک چوٹ مول لائے

توتے نے شہزادے کو ایسے ایسے مزیدار قصے اور چٹ پٹے شعر سنائے کہ سوتے جاگتے اس کی جدائی گوارہ نہ تھی۔ دربار جاتا تو پنجرہ ماہ طلعت کو سونپ جاتا اور تاکید کر جاتا کہ اس کی دیکھ بھال میں کسی طرح کمی نہ ہو۔

ایک دن شہزادہ دربار گیا، توتا محل میں رہا، اس روز ماہ طلعت نے غسل کیا اور شان دار لباس پہن کے جڑاؤ کرسی پر بیٹھی۔ پھر آئینے میں صورت دیکھی تو دیکھتی ہی رہ گئی۔ کنیزوں سے پوچھا ''بتاؤ تو میں کیسی ہوں''۔ ہر ایک نے جی کھول کے تعریف کی۔ کسی نے کہا ''عید کا چاند ہو''۔ کوئی بولی ''ایسی حسین ہو کہ کہیں دیکھا نہ سنا۔'' کسی نے کہا ''حور پری مقابلے پر آئے تو شرما جائے۔''

چاروں طرف سے خوب خوب تعریفیں ہو چکیں تو شہزادی توتے کی طرف متوجہ ہوئی۔ بولی ''اے عقل مند پرندے! تو نے دنیا جہاں کی سیر کی ہے۔ ہزاروں ایک سے ایک بڑھ کے حسین دیکھے ہوں گے۔ سچ کہنا کوئی ہم سا بھی کہیں نظر سے گزرا'' میاں توتے اس وقت خفا اور کچھ پھولے پھولے سے بیٹھے تھے، ماہ طلعت کی بات پر دھیان نہ دیا۔ وہاں ایک تو سلطنت کا زور دوسرے صورت کا گھمنڈ۔ جل کے بولی ''میاں مٹھو! کچھ جینے سے خفا ہو کر ہماری بات پر دھیان نہیں دیتے۔''

توتے نے کہا ''سوال جواب اور بات ہے۔ دھمکانا، حکومت سے ڈرانا اور غصے کی آنکھ دکھانا اور بات ہے۔ بیکار کیوں الجھتی ہو۔ شاید تم ہی سچی ہو'' یہ جواب سن کے تو وہ اور بھی آگ بگولا ہوئی۔ جھنجھلا کے بولی ''کیوں جانور بدتمیز، ناچیز تیری موت آئی ہے۔ کیا بیہودہ ٹیں ٹیں مچائی ہے۔ بے تک بک رہا ہے۔ ہمارا مرتبہ نہیں سمجھتا۔''

توتے نے جواب دیا کیوں اتنی خفا ہوتی ہو۔ آئینے میں اپنا منہ دیکھو۔ ہاں صاحب، تم بڑی خوب صورت ہو۔''

ادھر یہ تکرار ہو رہی تھی کہ جان عالم محل میں داخل ہوا۔ دیکھا شہزادی غصے سے تھر تھر کانپ رہی ہے، آنکھوں میں آنسو ہیں اور توتے سے بحث ہو رہی ہے۔ پوچھا ''کیا بات ہے۔ خیر تو ہے۔''

توتا بولا ''آج تو قیامت ٹوٹی ہے۔ یوں سمجھ لیجیے کہ کچھ زندگی باقی تھی اور ابھی کچھ اس قفس کا دانہ پانی قسمت میں تھا ورنہ آج شہزادی صاحبہ کے ہاتھوں جان گئی ہوتی۔ آپ لوٹ کے جیتا نہ پاتے۔ پنجرہ خالی پا کے افسوس کرتے کہ ۔

طوطا ہمارا مر گیا کیا بولتا ہوا۔''

ماہ طلعت نے توتے کی باتیں سنیں تو اور غصہ آیا۔ شہزادے سے کہا ''اگر میری بات کا

تو تا صاف جواب نہ دے گا تو اس نگوڑے کی گردن مروڑ اپنے تلووَں سے اس کی آنکھیں ملوں گی جب دانہ پانی کھاؤں پیوں گی۔''

جان عالم نے کہا'' کچھ حال تو کہو۔''

توتے نے عرض کیا'' حضور! ساری کہانی اس غلام سے سنیے۔ آج شہزادی صاحبہ نہا دھو کے اور خوب بناؤ سنگھار کر کے بیٹھیں اور ؎

دیکھ آئینے کو کہتی تھیں کہ اللہ رے میں''

پھر اس غریب سے سوال ہوا کہ'' بول تو نے ہماری سی صورت دیکھی ہے۔'' مجھ بیچارے کے منہ سے نکل گیا کہ'' خدا نہ کرے، اب اس خطا کی سزا پاتا ہوں۔''

جان عالم نے کہا'' تم بھی کمال کرتی ہو۔ تم تو سچ مچ پری ہو مگر عقل سے خالی ہو کہ جانور کی بات کا اتنا خیال کرتی ہو۔ بولتا ہے تو کیا ہوا۔ آخر ہے تو جانور۔ یہ نادان کیا جانے۔''

میاں مٹھو کو یہ باتیں بہت ناگوار ہوئیں۔ سر سے پیر تک رونے کی صورت بنائی اور ٹیں سے بولا۔ جھوٹ جھوٹ ہے، سچ سچ ہے جس کے برابر کوئی نہیں۔ وہ ذات تو صرف خدا کی ہے۔ ورنہ دنیا میں ایک سے ایک بڑھ کر موجود ہے۔''

اب تو جان عالم سے رہا نہ گیا۔ مجبور ہو کر کہا'' جو ہو سو ہو۔ مٹھو پیارے اب تو سچ کہہ دو''

توتے نے عرض کیا'' سچ کبھی کبھی بہت مہنگا پڑتا ہے۔ جو سچ مصیبت میں ڈالے اس سے جھوٹ بہتر۔ سچ نہ بلوایئے اور میرا منہ نہ کھلوایئے ورنہ دردر کی ٹھوکریں کھانی ہوں گی اور ملکوں ملکوں کی خاک چھاننی ہو گی۔''

یہ سن کے جان عالم اور بے تاب ہوا۔ بولا'' بس اب زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ سارا قصہ صاف صاف سناؤ۔''

توتے نے کہا'' سنیے بندہ پرور! میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ پریشان ہوں اور سفر کی تکلیفیں برداشت کریں کیونکہ دور دراز کے سفر میں جان اور مال دونوں جانے کا ڈر ہوتا ہے مگر آپ نہ مانے۔ خیر تو سنیے۔ یہاں سے شمال کی طرف آپ کو تقریباً ایک سال تک برابر سفر کرنا پڑے گا تب کہیں ایک ایسا ملک ملے گا زرنگار، ایسا خوبصورت کہ کسی نے خواب و خیال میں بھی نہ

دیکھا ہوگا۔ اس کے مکان اور گلی کوچے ایسے کہ دیکھو تو عقل دنگ رہ جائے۔ اس ملک کے رہنے والے ایسے خوب صورت کہ چودھویں کا چاند انھیں دیکھ کے ایسا شرماتا ہے کہ غم سے گھٹنا شروع ہوجاتا ہے۔ وہاں کی شہزادی ہے انجمن آرا۔ میری کیا مجال کہ اس کے حسن کی تعریف کرسکوں۔ ہاں اتنا جانتا ہوں کہ سات سو کنیزیں سونے کے پٹکوں سے کمر کسے اور جڑاؤ تاج سروں پر دھرے دن رات ان کی خدمت میں رہتی ہیں۔ ان کنیزوں کی لونڈیوں میں سے کسی کو شہزادی صاحبہ دیکھ لیں تو یقین ہے کہ شرم سے چلو بھر پانی میں ڈوب مریں۔"

توتے کا بیان سن کے ماہ طلعت سن ہوگئی، سر جھکا لیا۔ جان عالم یہ سن کے پنجرہ دیوان خانے میں لے آیا اور مفصل حالات پوچھنے لگا۔ توتے نے سمجھ لیا کہ جان عالم انجمن آرا کے حسن کا بیان سن کے دیکھے بغیر اس پر فدا ہوگیا ہے۔ توتے نے بہت چاہا کہ شہزادے کا دل ادھر سے ہٹ جائے اور وہ اس مصیبت میں بتلا نہ ہو مگر قسمت میں تو جنگل کی خاک چھاننی لکھی تھی۔ کسی طرح باز نہ آیا۔

آخر توتے نے جان عالم سے کہا کہ "آپ کسی طرح نہیں مانتے تو میں آپ کو اس شرط پر لے چلوں گا کہ آپ میرا کہا مانیں، نہ مانیں گے تو دھوکا کھائیں گے اور پچھتائیں گے۔ پھر مجھ کو بھی جیتا نہ پائیں گے۔" شہزادے نے بھی طرح طرح کے وعدے کیے کہ "تو میرا ہمدرد ہے، تیرا ہر کہا مانوں گا اور تیری صلاح کے خلاف کچھ نہ کروں گا۔"

طے پایا کہ رات گزار لی جائے اور صبح کو روانگی ہو مگر جان عالم کی آنکھوں میں نیند کہاں۔ کروٹیں بدل بدل کے رات کاٹی۔ دن نکلا تو شہزادے نے اپنے بچپن کے دوست اور ساتھی یعنی وزیر زادے کو یاد کیا۔ ملازموں کو حکم دیا کہ دو تیز رفتار ہوا سے باتیں کرنے والے گھوڑے سفر کے لیے تیار ہوں۔

گھوڑے تیار ہوگئے تو شہزادہ اور وزیر زادہ دونوں ضروری سامان ساتھ لے کے انجانی منزل کے لیے چل نکلے۔

نہ سدھ بدھ کی لی اور نہ منگل کی لی
نکل شہر سے راہ جنگل کی لی

جان عالم کا سفر پر روانہ ہونا

توتے اور وزیر زادے کے ساتھ شہزادہ نازوں کا پالا محل سے نکل کے شہر پناہ کے دروازے پر پہنچا، مڑ کے شاہی محلوں اور شہر کی بستیوں کو دیکھا تو دل بھر آیا۔ عزیزوں اور دوستوں کی جدائی کے خیال نے بہت رلایا۔ خدا سے کامیابی کی دعا کر کے آگے بڑھا تو پنجرے کو کھول دیا۔ شہزادہ اور وزیر زادہ اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار تھے اور میاں مٹھو ہوا کے گھوڑے پر اڑے جاتے تھے۔ ہر منزل پر نیا دانہ کھاتے، نیا پانی پیتے اور خدا کا شکر ادا کر کے آگے بڑھ جاتے۔

چلتے چلتے یہ قافلہ ایک عجیب جنگل میں جا نکلا۔ جنگل کیا ایک نرالا چمن تھا جس کا ہر تختہ پھولوں سے لدا تھا۔ پھول بھی ایسے رنگ برنگے کہ جی کو لبھاتے تھے اور ان کی بھینی بھینی خوشبو دل و دماغ کو تازہ کرتی تھی۔ شہزادہ خدا کی قدرت پر عش عش کرتا چلا جاتا تھا۔ اچانک ایک سمت سے دو تیز رفتار ہرن سامنے آئے۔ ان پر زربفت کی جھولیں پڑی تھیں، سینگوں پر جڑاؤ سنگوٹیا جڑی تھیں، گلے میں قیمتی ہیکلیں تھیں اور وہ چھم چھم کرتے قلانچیں بھرتے چلے جاتے تھے۔

جان عالم بے چین ہوا۔ وزیر زادے سے کہا ”کسی طرح انھیں جیتا گرفتار کیجیے۔“ دونوں نے ان کے پیچھے گھوڑے ڈال دیے۔ یا تو وہ ہرن اپنے انداز سے کھیلتے کودتے چلے جاتے تھے، گھوڑوں کو پیچھا کرتے دیکھا تو سنبھلے، کنوتیاں بدلیں اور چوکڑیاں بھرنے لگے۔ انھوں نے بھی گھوڑے رپٹائے۔ جہاں دیدہ پرند گھبرا کے پکارا۔ ”ارے نادان! یہ کیا غضب کرتا ہے۔

کیا تو دیوانہ ہے، دیکھا نہیں یہ جنگل نہیں جادو کا کارخانہ ہے۔'' توتے نے ہر چند سر دھنا مگر کسی نے نہ سنا۔ وہ چلے گئے۔ یہ ہار کے ایک درخت پر بیٹھا رہا۔

دو چار کوس دونوں ہرن ساتھ ساتھ بھاگے پھر دونوں الگ الگ سمتوں کو ہو لیے۔ ایک کے پیچھے شہزادہ دوڑتا رہا اور دوسرے کے پیچھے وزیرزادہ۔ یوں دونوں ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ سورج غروب ہونے تک شہزادہ گھوڑا دوڑاتا رہا۔ اچانک ہرن نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ شہزادہ نے گھبرا کے ادھر ادھر دیکھا۔ دور تک جنگل بیاباں، نہ توتے کا کہیں پتہ نہ وزیر زادے کا نشان۔ بہت گھبرایا کہیں کوئی جان دار نظر نہ آیا۔

شہزادہ آگے بڑھا تو ایک چشمہ نظر آیا۔ گھوڑے سے اتر کے ہاتھ منہ دھویا اور خدا سے دعا کی کہ۔'' اے بے کسوں کے مددگار، اے پاک پروردگار، اے بے سہاروں کو سہارا دینے والے، مصیبت کے ماروں کی بگڑی بنانے والے! بس تیرا ہی آسرا ہے۔ میں نے تیرے بھروسے پر سلطنت کو خاک میں ملایا، گھر سے ہاتھ اٹھایا اور سفر کی تکلیفیں برداشت کیں۔''

دعا قبول ہوئی۔ ایک بزرگ، خضر کی صورت، نورانی چہرہ، سفید داڑھی، سر پر سبز پگڑی، بدن پر عنابی لباس، ہاتھ میں عصا لیے نمودار ہوئے اور بلند آواز میں شہزادے سے سلام علیک کی۔ اس نے جواب دیا تو بزرگ نے پوچھا۔'' اے عزیز! تو کس پریشانی میں مبتلا ہے اور کیا چاہتا ہے۔ بیان کر۔''

شہزادہ یہ سن کر ایسا خوش ہوا کہ راستہ بھولنے کا غم بھی یاد نہ رہا۔ وزیرزادے اور توتے سے بچھڑنا بھی بھول گیا۔ بولا'' آپ کو اس کی قسم ہے جس نے آپ کو میری رہبری کے لیے بھیجا ہے۔ جس کے لیے جی بے چین ہے اسے دکھایئے اور ملک زرنگار کا راستہ بتایئے۔''

وہ بزرگ ہنسے کہ طلسم کے جنگل میں گرفتار ہے، ساتھی بچھڑ چکے۔ جان پر بن آئی ہے مگر ملک زرنگار کو نہیں بھولا لیکن اس کی حالت پر ترس بھی آیا۔ انھوں نے شہزادے سے کہا۔ ''آنکھیں بند کرو۔'' شہزادے نے آنکھیں بند کیں تو انجمن آرا سامنے تھی۔ سفر کی ساری تکلیف دور ہوگئی۔ پھر اس بزرگ نے شہزادہ کو کچھ کھلا کے چشمے کے کنارے سلا دیا۔ صبح کو آنکھ کھلی تو اس

مقام پر تھا جہاں سے راستہ بھولا تھا اور ہرن کے پیچھے گھوڑا ڈالا تھا۔ سجدے میں گر پڑا اور خدا کا شکر ادا کیا۔

جان عالم نے پھر سے اپنا سفر شروع کیا۔ پتہ اس خضر صورت بزرگ سے پوچھ ہی لیا تھا۔ چلتے چلتے ایسے لق ودق ریگستان میں جا پہنچا جہاں تپتی ریت کے سوا کچھ نہ تھا۔ پیاس سے زبان میں کانٹے پڑ گئے مگر پانی ناپید تھا۔ پریشانی کے عالم میں شہزادہ گھوڑا ادھر ادھر دوڑاتا تھا۔ اچانک گھنے درختوں کا ایک جھنڈ نظر آیا۔ ذرا جان میں جان آئی۔ نزدیک جا کے دیکھا کہ صاف شفاف پانی کا ایک حوض لبالب بھرا ہوا ہے۔ آنکھوں نے لہروں سے ٹھنڈک پائی۔ گھوڑے سے اتر کے پانی پینے کو جھکا تو عجیب کرشمہ دیکھا۔ حوض میں انجمن آرا نظر آئی۔ جان عالم کو دیکھ کے بولی'' میں کب سے تیرے انتظار میں تھی۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے تیری صورت دکھائی۔ اب کیا سوچ بچار ہے بے دھڑک پانی میں کود پڑ اور جدائی کو ملاپ میں بدل دے۔''
جان عالم نے ذرا بھی دیر نہ لگائی اور جھٹ پانی میں کود پڑا۔

کودتے ہی سر تلے، ٹانگیں اوپر۔ قلابازیاں کھاتا ذرا دیر میں تہہ کو جالگا۔ آنکھ کھلی تو حوض تھا نہ انجمن آرا۔ دور تک بیابان نظر آیا۔ اب توتے کی بات یاد آئی اور سمجھا کہ یہ دوسری چوٹ کھائی۔

اب اس کے سوا کیا کر سکتا تھا کہ جدھر کو منہ اٹھے چل دے وہ چلتا رہا۔ چلتے چلتے ایک چار دیواری نظر آئی۔ پاس گیا تو دیکھا بڑا سا احاطہ ہے، اس کے اندر دور تک پھیلا باغ اور باغ کے بیچوں بیچ ایک شان دار عمارت۔ پھاٹک کھلا تھا۔ جان عالم دھوپ اور گرمی سے تنگ آ چکا تھا، کچھ سوچے بغیر اندر داخل ہو گیا۔ نرالی سج دھج کا باغ دیکھا۔ ہر طرف ہریالی تھی اور بل کھاتی ہوئی نہریں ادھر ادھر بہتی تھیں۔ پیڑ مزے دار پھلوں سے اور پودے رنگ برنگ کے پھولوں سے لدے تھے۔ پیڑوں پر پرندے چہچہا رہے تھے۔ خوب صورت خادمائیں سجیلے لباس پہنے ادھر ادھر گھوم رہی تھیں۔ جان عالم روشوں پر ٹہلتا ٹہلتا بارہ دری کے سامنے جا پہنچا دیکھا کہ بارہ دری کے آگے سنگ مرمر کا چبوترہ ہے۔ اس پر بادلے کا سائبان کھنچا ہے۔ بیچوں بیچ ایک خوب صورت

مسند لگی ہے۔ جس پر ایک حسینہ عجیب ناز سے بیٹھی ہے۔ بیسیوں خواصیں خدمت کو حاضر ہیں۔ ان میں سے ایک خواص نے اسے دیکھ کے آواز دی۔ ''اے صاحب تم کون ہو جان نہ پہچان، بے دھڑک پرائے مکان میں چلے آئے۔''

جان عالم تو پہلے ہی جینے سے تنگ اور مرنے کو تیار تھا۔ سیدھا گیا اور اس حسینہ کے برابر مسند پر جا بیٹھا۔ وہ تو پہلے ہی سے اس پر فریفتہ تھی، ہنس کے چپ ہو رہی۔ ذرا دیر رک کے پوچھا۔ '' آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟'' شہزادہ بے چارہ کیا جواب دیتا وہ تو اس وقت ایک عجیب دنیا کی سیر میں مصروف تھا۔ سامنے جتنے پیڑ تھے سب پر دار جانوروں کی طرح کے تھے اور پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔ جس درخت کا میوہ کھانے کو جی چاہتا وہ سامنے آموجود ہوتا اور ناچنے لگتا۔ پھل آپ سے آپ منہ میں پہنچ جاتا اور درخت پھر اپنی جگہ کھڑا ہو جاتا۔ پھر مزہ یہ کہ اس کا کوئی پھل کم نہ ہوتا۔

خواصیں پھل کھا کھا کے یہ سارے تماشے دکھاتی تھیں۔ بلکہ تماشا کیا دکھاتی تھیں، شہزادے کو ڈراتی تھیں کہ دیکھ لے یہ جادو کی نگری ہے، یہاں سے بچ نکلنا دشوار ہے۔ خیریت اسی میں ہے کہ جو کہا جائے بے چوں وچرا کرو۔ شہزادہ سمجھ گیا کہ یہ جادو کا کارخانہ ہے، اب اللہ ہی نکالے تو یہاں سے نکلیں گے۔

وہاں شہزادے کی بڑی خاطر تواضع ہوئی۔ اس نے بھی یہی بہتر سمجھا کہ انکار نہ کرے۔ یہ محفل ختم ہوئی تو وہ جان عالم کو بارہ دری میں لے گئی۔ مسہری پر بٹھایا اور بولی۔ ''تو نے سنا ہوگا کہ شہپال جادوگروں کا بادشاہ ہے۔ میں اس کی بیٹی ہوں۔ یہ باغ بلکہ اس کے چاروں طرف کا علاقہ جادو کا بنا ہوا ہے۔ میں ایک مدت سے تجھ پر فریفتہ تھی۔ میرے دیوتاؤں نے آج میری سن لی اور تجھے یہاں پہنچا دیا۔ انجمن آرا کی ملاقات کے سوا تو جو کچھ حکم دے گا بجا لاؤں گی۔''

شہزادہ بولا۔ ''جو کچھ تو نے کہا سچ ہے۔ تیری گفتگو سے پتہ چلا کہ تو بھی محبت کا زخم کھا چکی ہے۔ ذرا دل میں سوچ میں جس پر فریفتہ ہوں تو اسی کی جانی دشمن ہے۔ دشمنوں کی تین قسمیں بتائی جاتی ہیں۔ پہلا تو وہ جو اپنا دشمن ہو، دوسرا وہ جو دشمن کا دوست ہو اور تیسرا وہ جو

دوست کا دشمن ہو۔ یہ تیسرا دشمن سب سے بڑا ہوتا ہے۔ انجمن آرا کی جدائی میں اپنا تو یہ حال ہے کہ تخت و تاج چھوٹا، گھر بار چھوٹا، دوست اور عزیز چھوٹے، عیش و آرام کی جگہ دردر کی ٹھوکریں کھائی۔ جس کے لیے یہ حال ہوا تو اسی کی دشمن ہے۔ اب تو یہ بتا میں تیری دوستی پر کیسے بھروسہ کروں؟''

یہ سن کے وہ آگ بگولا ہوگئی۔ غصے سے تھر تھر کانپنے لگی۔ بولی'' میں جادوگروں کے بادشاہ کی بیٹی ہوں۔ ملک زرنگار میرے لیے ایک قدم کے فاصلے پر ہے۔ ابھی جاتی ہوں اور پلک جھپکتے انجمن آرا کو یہاں لے آتی ہوں۔ تیرے سامنے اسے جلا کے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کروں گی۔''

جان عالم یہ سن کے بدحواس ہوگیا۔ دل میں سوچا عورت کا غصہ برا ہوتا ہے۔ کیا عجب جو کچھ کہتی ہے ابھی کر دکھائے۔ انجمن آرا نہ رہی تو پھر رہ کیا جائے گا۔ مصلحت اسی میں ہے کہ کسی طرح اسے راضی رکھو۔ خدا بگڑے کاموں کو بناتا ہے۔ ممکن ہے آئندہ کوئی صورت نکل آئے۔ یہ سوچ کے اس سے جھوٹ سچ باتیں کیں اور جھوٹے دل سے محبت جتائی۔ وہ تو مطمئن ہو کے آرام سے سوگئی مگر شہزادہ کی آنکھوں میں نیند کہاں۔ ساری رات یہ شعر زبان پر رہے ؎

کسی کی شب وصل سوتے کٹے ہے
کسی کی شب ہجر روتے کٹے ہے

ہماری یہ شب کیسی شب ہے الٰہی
نہ سوتے کٹے ہے نہ روتے کٹے ہے

غرض کسی طرح صبح ہوئی۔ ناشتے کے بعد وہ جادوگرنی جان عالم سے بولی'' میرا طریقہ یہ ہے کہ اس وقت سے پہر دن رہے تک شہپال کے دربار میں حاضر رہتی ہوں۔ تیری اجازت پاؤں تو جاؤں۔'' جان عالم یہ سن کے دل دل میں بہت خوش ہوا کہ خس کم جہاں پاک۔ ذرا دیر کو تو تیری منحوس صورت دیکھنے سے بچوں گا مگر اسے بے وقوف بنانے کو بولا کہ'' تیری جدائی پل بھر کو گوارا نہیں۔ خیر مجبوری ہے تو جا مگر جتنی جلدی بن پڑے لوٹ آئیو۔''

جان عالم کی زبان سے یہ باتیں سن کر جادوگرنی خوش ہوگئی۔اس کے جانے کے بعد جان عالم اپنی قسمت کو روتا رہا اور اپنے کیے پر کڑھتا رہا کہ میں نے کیوں نادانی سے کام لیا اور کیوں حوض میں کودا۔ یہ نہ جانا کہ یہ سب جادو ہے۔ چھ گھڑی دن رہے وہ مکار عورت لوٹ آئی۔ اسے دیکھ کے شہزادہ کو رونا آیا مگر دکھانے کو ہنس دیا۔

دو مہینے اسی طرح بیت گئے۔ اس قید میں جان عالم کا یہ حال ہوا کہ سوکھ کے کانٹا ہوگیا۔ایک دن وہ جادوگرنی رخصت ہوتے وقت جان عالم سے بولی۔''تیری تنہائی کا مجھے بڑا خیال رہتا ہے بلکہ بڑا ملال رہتا ہے۔تو اکیلا تمام دن گھبراتا ہوگا۔ باگ کاٹے کھاتا ہوگا۔کیا کروں۔لاچار ہوں۔ایسا کوئی نہیں جسے تیرا جی بہلانے کو چھوڑ جاؤں۔یہ خواصیں ہیں مگر انھیں اٹھنے بیٹھنے بولنے چالنے کی تمیز نہیں۔ان کی موجودگی سے تو اور گھبرائے گا۔''

شہزادے نے کہا''ہم کیا گھبرائیں گے۔تنہا پیدا ہوئے،تمام عمر اکیلے رہے۔ ہماری قسمت میں دوسرا لکھا نہیں لیکن ہر دم یہ اندیشہ رہتا ہے کہ ہمیں تنہا پا کے کوئی مار ڈالے تو کیا ہو۔ ایسے مارے گئے کہ کوئی رونے والا بھی نہیں ہوگا۔جب تک تجھے خبر ہو ہمارا تو کام تمام ہو چکے گا۔''

وہ بولی''یہ کیا بات تیرے خیال میں آئی۔جانتا نہیں یہ طلسم کا مکان ہے، یہاں کب کسی کے گزر کا امکان ہے۔''

شہزادہ بولا''واہ!اگر کوئی جادوگر ہی مار ڈالنے پر کمر کس لے تو بھلا اسے کون روکے گا؟''

یہ سن کر تو اسے برے برے خیال آئے۔ جی جان سے جان عالم پر فریفتہ تھی۔کھٹکا ہوا کہیں ایسا نہ ہو میرے پیچھے کوئی جادوگرنی ادھر سے گزرے اور شہزادے پہ عاشق ہو جائے اور اسے اڑا لے جائے پھر اپنی قید میں رکھے اور زندگی بھر نہ چھوڑے۔ وہ دیوانی محبت میں اندھی ہوگئی۔ یہ بھی نہ سوچا کیا انجام ہوگا،جھٹ صندوق کھول وہ تعویذ نکالا جسے نقش سلیمانی کہتے ہیں اور شہزادے کے بازو پر باندھ کے بولی''لے اب نہ جادو کا اثر ہو، نہ دیو کا گزر ہو اور نہ پری سے ضرر ہو۔دل کا کھٹکا مٹا۔مزے اڑا۔''

یہ کہہ کے وہ ساحرہ تو روز کی طرح شہپال کے دربار کو روانہ ہوئی اور جان عالم انجمن آرا

کے خیالوں میں کھو گیا۔ روز کا یہی طریقہ تھا۔ ادھر جان عالم کے دل میں نیا خیال آیا کہ وہ اس نقش کی بہت تعریفیں کرتی تھی۔ کھول کے دیکھو، ممکن ہے اس میں رہائی کی کوئی تدبیر لکھی ہو۔

غرض جان عالم نے وہ نقش کھول کے دیکھا۔ بہت سے خانے بنے تھے، ان میں اسمائے الٰہی لکھے ہوئے تھے اور ان کی تاثیر کا بھی ذکر تھا، ایک خانے پر نظر پڑی۔ لکھا تھا ''کوئی شخص کسی جادوگر کی قید میں پھنسا ہو تو یہ اسم پڑھے نجات پائے گا یا طلسم کے مکان میں گھرا ہوا ہو، اسے پڑھتا جدھر چاہے چلا جائے اور جو کوئی جادو کرتا ہو، اس پر دم کر کے پھونک دے، اسی دم اس کی برکت جادوگر کو پھونک دے۔''

نقش میں رہائی کی تدبیر نظر آئی تو شہزادے کی خوشی کا ٹھکانا نہ رہا۔ جلدی جلدی وہ اسم یاد کیا اور نقش کو تہہ کر کے پھر اسی طرح بازو پر باندھ دیا۔ اتنی دیر میں وہ جادوگرنی بھی آموجود ہوئی۔ جان عالم کے تیور بدلے دیکھے پوچھا ''آج کیسا مزاج ہے؟''

شہزادے نے جواب دیا ''خدا کا شکر بہت اچھا ہے میں بہت دیر سے تیرا انتظار کر رہا تھا۔ لے تجھے شیطان کے حوالے کیا، ہمارا اللہ نگہبان ہے۔''

جادوگرنی نے یہ الفاظ سنے تو ہاتھوں کے توتے اڑ گئے۔ سمجھ گئی کہ آج کھیل بگڑ گیا اور جان عالم ہاتھ سے نکلا۔ جادو کے زور سے روکنے کی کوشش کی۔ اثر نہ ہوا۔ جھنجھلا کے ناریل زمین پہ مارا۔ وہ پھٹا تو ہزاروں اژدہے منہ پھاڑے آگ اگلتے اس میں سے نکلے۔ شہزادے نے کچھ پڑھا، وہ سب پانی ہو کے بہہ گئے۔ اب تو وہ خوشامدوں پر اتر آئی۔ پاؤں پر سر دھرنے لگی۔ اس کی مدد کو جو اور جادوگرنیاں آ پہنچی تھیں وہ بھی شہزادے کو سمجھانے لگیں کہ جو جی جان سے فدا ہو اس کا ساتھ چھوڑنا اور اس سے دغا کرنا مناسب نہیں۔

شہزادے نے کہا۔ ''ذرا گریبان میں منہ ڈالو ہم بھی تو کسی کی محبت میں عیش و آرام چھوڑ کے مصیبت جھیلنے کو نکلے تھے۔ تم نے ہمیں زبردستی قید کیا اور اس تک نہ جانے دیا جس کے لیے جی بے چین ہے۔ یہ احسان کچھ کم ہے کہ ہم نے تمھارا طلسم درہم برہم نہ کیا؟''

وہ سمجھ گئی دام سے چھوٹا یہ پنچھی اب رکنے والا نہیں۔ وہ سر پیٹتی رہ گئی اور یہ اسم الٰہی کی

برکت سے رہا ہوا۔ سچ ہے اللہ کے نام میں بڑی طاقت ہے۔

شہزادے نے قید سے چھوٹ کے اپنی راہ لی۔ چلتے چلتے اس حوض پہ پہنچا جس میں ڈبکی لگا کر اس آفت میں پھنسا تھا۔ وہاں اپنے گھوڑے کی لاش پڑی دیکھی۔ وہ بے چارہ ایسا وفادار تھا کہ پتھر سے سر مار کے مر گیا تھا۔ ایک تو وفادار ساتھی کے بچھڑنے کا غم، دوسرے یہ خیال کہ اب پیدل چلنے کی مصیبت اور پڑی۔ جان عالم کو جتنا بھی دکھ ہوتا کم تھا مگر ہمت نہ ہاری اور پیدل ہی اپنی منزل کی طرف چل دیا۔

ملکہ مہر نگار سے جان عالم کی ملاقات

شہزادہ سفر کرتے کرتے ایک ایسے جنگل میں جا پہنچا جس کی بہار چمن کو شرمندہ کرتی تھی۔ درخت ہرے بھرے میووں سے لدے تھے۔ پودوں پر رنگ برنگے پھول کھلے تھے۔ روشوں کے دونوں طرف پانی کی نہریں بہتی تھیں۔ ٹھنڈی ہوا تھکے ہارے مسافر کو آرام پہنچاتی تھی۔ جی میں یہ بات آئی کہ آج کی رات یہیں بسر کرنی چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ خدا کیا کرتا ہے۔

ایک طرف زمین ہموار تھی اور درخت گھنے تھے۔ پاس ہی صاف شفاف پانی کا چشمہ بہتا تھا۔ یہ اس کے کنارے جا بیٹھا۔ جنگل کی کیفیت جی کو بے چین کرنے والی تھی۔ درختوں پر پرند چہچہاتے تھے۔ جانور خوشی سے کلیلیں کرتے تھے۔ آسمان پر بادل تیرتے تھے۔ کہیں سرخ کہیں سفید، کہیں اودے، بادل گرجتے تھے۔ بجلی چمکتی تھی۔ سامنے مور ناچ رہے تھے۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ آسمان میں شفق پھوٹی تھی۔ رنگ برنگی دھنک نے منظر کو اور دل کش بنا دیا تھا۔

قاعدہ ہے کہ موسم سہانا ہوتا ہے اور عیش کے سامان موجود ہوتے ہیں تو وہ جسے جی پیار کرتا ہے، زیادہ یاد آتا ہے۔ اس وقت جان عالم کو انجمن آرا کی یاد آئی تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔

جان عالم اپنے خیالوں میں گم تھا کہ سامنے سے عورتوں کا ایک غول آتا دکھائی دیا۔ یہ دھوکا کھا چکا تھا سنبھل کر بیٹھ گیا اور کچھ پڑھنے لگا۔ مثل مشہور ہے کہ دودھ کا جلا چھاچھ کو پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ جب وہ نزدیک آئیں تو غور سے دیکھا۔ کوئی چار پانچ سولڑکیاں تھیں، سب

کی سب پری زاد اور نازک بدن۔ ایک سے ایک شوخ طرار۔ اچھلتی کودتی چلی آتی تھیں۔ بیچ میں ہوا دار پر ایک حسینہ سوار تھی۔ سر پر سنہری تاج تھا اور بدن میں بھڑکیلا لباس تھا۔ چقماقی بندوق پاس دھری تھی۔ صاف ظاہر ہے شکار کھیلتی چلی آتی ہے۔

جو لڑکیاں آگے آگے چلی آتی تھیں، ان کی جان عالم پر نگاہ پڑی۔ سب کی سب لڑکھڑا کر ٹھٹک گئیں۔ کچھ سکتے کے عالم میں سہم کر جھجک گئیں۔ کچھ بولیں۔ ''ان درختوں سے چاند نے کھیت کیا ہے'' کچھ بولیں۔ ''نہیں ری سورج چھپتا ہے۔'' کسی نے کہا۔ ''غور سے دیکھ ماہ ہے۔'' ایک جھانک کے بولی۔ ''واللہ ہے۔'' ایک نے کہا۔ ''چاند ہے۔'' تو دوسری نے کہا۔ ''تارا ہے۔'' کوئی بولی۔ ''پری زاد ہے۔'' کسی نے کہا۔ ''خدا جانے قدرت کا راز ہے۔''

ملکہ نے لڑکیوں کی کھسر پسر سنی تو بولی۔ ''خیر ہے؟''

خواصوں نے ہاتھ جوڑ کے عرض کی۔ ''قربان جائیں، جان کی امان پائیں تو زبان پر لائیں۔ حضور کی سواری ہمیشہ ادھر سے جاتی ہے مگر آج یہاں عجب تماشا ہے۔ درختوں میں ایک چاند سی شکل نظر آتی ہے۔''

ملکہ نے حیرت سے پوچھا۔ ''کہاں؟''

ایک نے عرض کی۔ ''وہ حضور کے سامنے۔''

جیسے ہی ملکہ کی نظر جان عالم کے چہرے پر پڑی ہوش جاتے رہے۔ ایسا حسین پہلے کاہے کو دیکھا تھا۔ چہرے کا رنگ روپ اور ایک ایک نقش جان لیوا تھا۔ ملکہ تھرتھرا کر ہوا دار پر غش کھا کر گری۔ خواصوں نے چہرے پر گلاب اور کیوڑہ جھڑکا۔ کوئی نادعلی پڑھنے لگی۔ کوئی سورۂ یوسف دم کرنے لگی۔ کسی نے بازو پر رومال باندھا۔ کوئی تلوے سہلانے لگی۔ کوئی مٹی پر عطر چھڑک کر سنگھانے لگی۔ کوئی ہاتھ منہ کیوڑے سے دھوتی تھی۔ کوئی صدقے ہو ہو کے روتی تھی۔ کسی نے کہا۔ ''بری روح کا اثر ہے۔'' کسی نے کہا۔ ''یہ سب عشق کا کرشمہ ہے۔''

بڑی دیر میں شہزادی کو ہوش آیا۔ دل مگر اسی صورت میں ٹکا تھا۔ خواصوں میں صلاح ہوئی کہ اب ادھر سے سواری پھیرو اور ملکہ کو گھیرے میں لے لو۔ ملکہ بولی۔ ''کیا تم سب دیوانی

ہو۔ یہ کوئی مسافر بے چارہ غربت کا مارا ہے۔تھک کر یہاں بیٹھ رہا ہے۔اس سے کیا ڈرنا چلو اسے نزدیک سے دیکھیں۔''

خواصیں بے چاری کیا کرتیں۔حکم کے آگے لاچار تھیں۔آگے بڑھیں مگر جھجکتی تھیں اور ایک دوسرے کا منہ تکتی تھیں۔ جوں جوں سواری آگے بڑھتی تھی ملکہ کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی تھی۔

یہ ملکہ مہر نگار تھی اور اس کے حسن کا دور دور جواب نہ تھا۔جان عالم نے ملکہ کو دیکھا تو اس کی حالت بھی غیر ہوئی مگر ضبط سے کام لیا اور جس طرح بیٹھا تھا اسی طرح اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ ذرا بھی ہلا جلا نہیں۔

ملکہ کا اشارہ پا کے خواص آگے بڑھی۔ پوچھا۔'' کیوں جی میاں مسافر،تمھارا کدھر سے آنا ہوا اور کیا مصیبت پڑی ہے جو اکیلے اس جنگل میں وارد ہوئے ہو؟''

شہزادے نے مسکرا کے کہا۔'' مصیبت تجھ پر پڑی ہوگی۔تیری باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں مصیبت کے مارے آتے ہیں۔تم سب بتاؤ کہ تم پر کیا کمبختی آئی کہ چڑیلوں کی طرح شام کو جنگل میں منڈلاتی پھرتی ہو۔''

ملکہ یہ جواب سن کے پھڑک گئی۔خود بولی۔'' واہ صاحب واہ،تم تو بڑے گرم مزاج ہو۔حال پوچھنے پر اتنے خفا ہوئے کہ ایسی سخت بات کہی اور سب کو چڑیلیں ٹھہرایا۔''

جان عالم نے جواب دیا۔'' ہمارا یہ طریقہ نہیں کہ اجنبی لوگوں سے یوں بے تکلف بات کریں۔''

ملکہ پھر بولی۔'' حضور! میں تو آپ سے صرف یہ پوچھتی ہوں کہ آپ کا کیا نام ہے اور کس طرف سے ادھر آنا ہوا؟''

شہزادہ بولا۔'' حضور تو آپ ہیں کہ جیتے جی چار کے کندھے پر چڑھی ہیں۔ ہم غریبوں کا کیا ہے؟''

خواصوں نے ادب سے عرض کیا کہ سرکار اس اجنبی مرد کے منہ نہ لگیں۔ بڑا منہ پھٹ

آدمی معلوم ہوتا ہے۔

ملکہ نے کہا۔’’ تم سب چپ رہو۔خوہ مخواہ بیچ میں دخل نہ دو۔ بگڑا تو پتہ نہیں کیا تمھاری درگت بنائے۔‘‘ یہ سن کے وہ سب الگ ہٹ گئیں اور ایک دوسرے سے کہنے لگیں۔’’ خدا خیر کرے۔عجب بے ڈھب آدمی سے پالا پڑا ہے۔‘‘

ملکہ پھر شہزادہ سے مخاطب ہوئی۔’’اے صاحب، کچھ منہ سے بولو، سر سے کھیلو۔‘‘

جان عالم نے جواب دیا۔’’ ذرا دیر کو اپنی بادشاہی بھولو اور ہوا کے گھوڑے سے اتر کے ہم فقیروں کے پاس بیٹھو،طبیعت حاضر ہوگی تو ہم بھی کچھ بولیں گے۔‘‘

ملکہ بولی۔’’تم بھی خوب چیز ہو، حال فقیروں کا، دماغ امیروں کے، باتیں کڑوی کسیلی، خیر، تمھاری خوشی اسی میں ہے تو ہم ہوادار سے اترتے ہیں۔‘‘ یہ کہہ کے اتری اور جان عالم کے برابر بیٹھ گئی۔

خواصوں نے جو یہ دیکھا تو دانتوں میں انگلیاں دبالیں۔سب کو حیرت کہ یہ کیا ہوگیا ہر ایک بولی۔’’بی بی! یہ انسان ہے یا جادوگر۔کیسی بدزبانی کی پھر بھی پری ملکہ کو شیشے میں اتار لیا۔ بیٹھے بٹھائے میدان مارلیا۔دوسری بولی۔’’ تجھے اپنے دیدوں کی قسم، سچ بولیو، ایسا جوان رنگیلا، سج دار، طرار، آفت کا پرکالہ، دنیا سے نرالا تو نے یا تیری ملکہ نے کبھی دیکھا تھا۔اری دیوانی خوب صورتی عجب چیز ہے۔حسن سارے جہاں کو عزیز ہے۔‘‘ غرض سب اپنی اپنی کہتی تھیں۔

جب ملکہ ہوادار سے اتر کے شہزادے کے پاس بیٹھی تو ذرا دیر تو وہ چپ رہا پھر ٹھنڈی سانس بھر کے یہ شعر پڑھا۔

سراسر دل دُکھاتا ہے کوئی ذکر اور ہی چھیڑو
پتہ خانہ بدوشوں سے نہ پوچھو آشیانے کا

شعر پڑھ کے بولا۔’’ صاحب! ہمارا حال جان کے کیا کروگی۔مختصر یہ ہے کہ بے یارومددگار ہیں۔مصیبتوں میں گرفتار ہیں۔گھر سے دور ہیں اور آرام وآسائش سے محروم۔ پیروں میں چلنے کی طاقت نہیں مگر منزل کی تلاش میں پریشان ہیں۔

ظاہر میں گر چہ بیٹھا لوگوں کے درمیاں ہوں
پر یہ خبر نہیں ہے میں کون ہوں کہاں ہوں
اے ساکنان دنیا! آرام دو گے اک شب
بچھڑا ہوں دوستوں سے، گم کردہ کارواں ہوں
نام و نشاں نے یا رب رسوا کیا ہے مجھ کو
جی چاہتا ہے سچ ہو بے نام و بے نشاں ہوں

یہ اشعار پڑھ کے وہ تو چپ ہو رہا مگر ملکہ سمجھ گئی کہ ہو نہ ہو کسی ملک کا شہزادہ ہے مگر کسی کے عشق میں دیوانہ ہوگیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو بات ہے اس کا دل پر اثر ہوتا ہے۔ سوچا کسی تدبیر سے اسے گھر لے چلو، ایک دن سارا حال معلوم ہو جائے گا۔ کہاں تک چھپائے گا۔ بڑی خوشامد سے بولی۔ ''اے عزیز! یہ علاقہ ہماری سلطنت میں شامل ہے۔ تم زمانے کی گردش سے مسافر بن کے یہاں آنکلے ہو۔ تمھاری مہمانی ہم پر فرض ہے۔ یہاں تک آ گئے ہو تو دو چار قدم اور سہی۔ غریب خانہ قریب ہے۔ آج کی رات وہاں آرام کرو۔ صبح تم کو اختیار ہے۔ چاہے رہو چاہے سفر پر روانہ ہو۔''

جان عالم نے تیوری چڑھا کے کہا۔ '' دیکھیے آپ نے پھر اپنی سلطنت کا رعب ڈالا۔ مانا تخت و تاج کی مالک ہیں۔ یہ ملک آپ کا ہے۔ ہم غریب فقیر پردیسی ہیں مگر ایسے بھوکے بھی نہیں کہ آپ کے کھانے کے محتاج ہوں۔ اپنی طبیعت اپنے اختیار میں نہیں۔ کسی کی مہمان داری اور تواضع گوارہ نہیں۔''

ملکہ کو جان عالم کے انکار سے تکلیف پہنچی۔ کہنے لگی۔ ''کسی کی دعوت نامنظور کرنا کوئی اچھی بات نہیں۔ آگے آپ کو اختیار ہے۔ ہم آپ کو مجبور تو کر نہیں سکتے۔''

جان عالم نے سوچا کسی کا دل توڑنا اچھی بات نہیں۔ پھر یہ کہ گھر سے نکلے مدتیں ہوگئیں۔ آدمی کی صحبت میسر نہ آئی۔ یہ بھی تو شہزادی ہے۔ ذرا دیر اس سے ہنس بول کے اپنا غم غلط کرو۔ اٹھا اور ملکہ کے ساتھ ہولیا۔ سارے راستے دل چسپ گفتگو کرتا رہا۔ ملکہ پہلے فریفتہ

ہو چکی تھی، شہزادے کی گفتگو نے اور بھی دل موہ لیا مگر دل ہی دل میں افسوس کرتی تھی کہ ایسے میں جی اٹکا ہے جو کسی اور پر فدا ہے۔ ڈرتی تھی کہ جو کچھ ہوا اس کا انجام اچھا ہوتا نظر نہیں آتا۔

دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہنستے بولتے باغ کے دروازے پر آ پہنچے۔ دروازہ کھلا۔ دونوں اندر آئے۔ باغ ایسا کہ جس کی تعریف نہیں ہوسکتی۔ قلم حیران ہے۔ جس ملک کا جنگل چمن سے بہتر ہو، وہاں کے باغ کا کیا کہنا۔ دور تک پھیلا ہوا احاطہ، چاروں کونوں پر چار بنگلے، ہر طرف نرم نرم سبزے کا قالین بچھا، بیچ بیچ میں طرح طرح کے پھولوں کی کیاریاں، جگہ جگہ مہندی کی بہار، گل عباسی سے خدا کی شان نظر آتی تھی۔ نرگس کے پھول ایسے دکھائی دے رہے تھے جیسے کسی کے انتظار میں ہوں۔ گل شبّو سے بھی مہک آتی تھی۔ میوہ دار درخت الگ بہار دکھاتے تھے۔ پھولوں کے بوجھ سے ٹہنیاں زمین چوم رہی تھیں۔ روشیں ہموار اور خوش نما۔ ان کے دونوں طرف صاف شفاف پانی کی نہریں بہہ رہی تھیں۔ بیلا، چنبیلی، موتیا، موگرا، بدن بان، جوہی، کیتکی، کیوڑا، نسرین اور نسترن اپنی خوشبو اور رنگ روپ سے سیر کرنے والے کو مست کرتے تھے۔ فاختائیں اور قمریاں شاخوں پر جھولتی اور چہچہاتی تھیں، مور ناچ ناچ کے دعوت نظارہ دیتے تھے۔ قازیں نہروں میں تیرتی پھرتی تھیں۔ غلام اور کنیزیں باغ کی صفائی میں مشغول تھے۔

باغ کے بیچ میں ایک خوبصورت سی بارہ دری تھی۔ یہاں ہر کمرہ سجا ہوا تھا۔ غلام گردش کے آگے سنگ مرمر کا چبوترہ، چبوترے کے اوپر شامیانہ لگا ہوا تھا۔ اس کی جھالر سفید بادلے کی تھی۔ ڈوریاں کلابتو کی تھیں۔ اس کے برابر میں صاف پانی کا حوض تھا۔ آسمان صاف تھا۔ چودھویں کا چاند ہر طرف روشنی بکھیر رہا تھا۔ برسات کی چاندنی یوں بھی قیامت ہوتی ہے۔ چاروں طرف فوارے جاری تھے۔ فوارے کے پانی میں بادلہ کٹا پڑا تھا جو پانی کے ساتھ ہوا میں بلند ہوتا اور عجب چمک دمک دکھاتا تھا۔

ملکہ نے شہزادے کو لے جا کے مسند پر بٹھایا۔ حسین لڑکے لڑکیاں خشک میووں، تازہ پھلوں، طرح طرح کی مٹھائیوں اور لذیذ کھانوں کی سینیاں اور خوان لے لے کے دوڑے۔

شہزادے کی خوب تواضع ہوئی۔ پھر گانے بجانے کی محفل جمی۔ ایک سے ایک اچھا گانے بجانے والا وہاں موجود تھا۔ سماں بندھ گیا۔ حسینوں نے ایسے ایسے ناچ دکھائے اور گھنگھرو بجائے کہ سبحان اللہ۔

شہزادے کو خوش پایا تو ملکہ نے سوال کیا۔ ''اے عزیز! تمھیں خدا کی قسم۔ سچ کہو، کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو اور کس کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہو؟''

جان عالم نے مجبور ہو کے سب کچھ صاف صاف بتلا دیا۔ کہا'' ملکہ! میں شاہ فیروز بخت کا لڑکا ہوں۔ جان عالم میرا نام ہے۔ ملک ختن کا رہنے والا ہوں۔ فسحت آباد ہماری سلطنت کا صدر مقام ہے۔ میں نے ایک تو تا مول لیا تھا۔ جو ایسی ایسی باتیں سنا تا تھا کہ سننے والے کی عقل دنگ ہو۔ اس کی زبان سے انجمن آرا کے حسن کا قصہ سنا۔ دل بے قرار ہو گیا۔ گھر بار چھوڑا اور اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ پھر وزیر اور تو تے سے بچھڑے، طلسم میں گرفتا ہوئے۔ جادوگرنی سے نقش سلیمانی پانے اور رہا ہونے کا قصہ سنایا اور بتایا کہ اب جلد سے جلد ملک زرنگار پہنچنا چاہتا ہوں۔

ملکہ نے جو یہ قصہ سنا بہت اداس ہوئی۔ وہ خود شہزادے کو چاہنے لگی تھی مگر تھوڑا بہت اندازہ اس کا بھی تھا کہ یہ کسی اور پر مائل ہے۔ اب ساری بات خود اس کی زبان سے سن لی تو بالکل مایوس ہو گئی اور آہیں بھرنے لگی۔

شہزادے نے پوچھا۔ ''کیا بات خیر تو ہے؟'' جواب میں ملکہ نے اپنے دل کی بات کہہ سنائی کہ تم کسی اور پر فدا ہو اور ہم تم پر شیدا ہیں۔ عجب بات ہے کہ جو ہمارے دل کا علاج کر سکتا ہے وہ خود بیمار اور کسی اور کا محتاج ہے۔

شہزادے نے دلاسا دیا کہ'' غم نہ کرو ہم کسی طرح باہر نہیں ، جو تمھارا حکم ہوگا بجالائیں گے مگر جس کام کو پہلے نکلا ہوں اسے پہلے پورا کروں گا۔'' جان عالم نے بہت تسلیاں دیں تو ملکہ کے دل سے غم دور ہوا۔

باتوں میں وقت کا پتہ نہ چلا۔ اب صبح ہونے کو تھی۔ شہزادہ سفر کے لیے تیار ہوا۔ ملکہ کو

بے حساب ملال ہوا مگر روک بھی نہ سکتی تھی۔ بولی۔'' باپ میرا بھی شہنشاہ تھا۔ بہت سے تاج دار خراج دیتے تھے مگر ان کی عادت میں شروع سے درویشی تھی۔ تخت و تاج چھوڑا، دنیا سے منہ موڑا، شہر چھوڑ کے اس ویرانے کو آباد کیا اور یہاں مکان بنا کے خدا کی یاد میں بیٹھ رہے۔ مجھ سے بہت کہا کہ کہیں شادی کر لو۔ مگر مجھے اپنے باپ کی جدائی گوارہ نہ ہوئی۔ اب یہ نئی آفت آئی کہ ایک پردیسی پنچھی پہ جی فدا ہو گیا۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ اگر کوئی حرج نہ ہو تو چلتے وقت میرے والد سے ملاقات کرتے جاؤ۔''

جان عالم نے کہا بہتر ہے۔ ایک خواص کے ساتھ یہ بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ نورانی صورت ایک بزرگ بوریا بچھائے یادِ خدا میں مصروف ہے۔ شہزادے نے سلام عرض کیا۔ اس نے دعا دے کر ہاتھ بڑھایا اور گلے سے لگا لیا۔ محبت سے پاس بٹھا کے بولا۔ '' ملکہ کا سارا حال ہم پر ظاہر ہے۔ ہم نے کیسا کیسا سمجھایا مگر اس کی عقل میں کچھ نہ آیا۔ بڑے بول کا سر نیچا۔ اب کس کس طرح تمھاری منتیں کیں مگر تم شادی پر رضامند نہ ہوئے۔ خیر تم نے جو اس سے وعدہ کیا اگر پورا کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمھیں اپنی عنایتوں سے سرفراز کرے گا۔ ہر انسان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ دل توڑنا سب سے بڑا گناہ ہے۔''

شہزادے نے سر جھکا کے عرض کیا کہ '' آپ مجھے شرمندہ کرتے ہیں۔ میں بہت مجبور ہوں۔ جس ارادے سے گھر چھوڑا، شہر سے منہ موڑا، عزیزوں، دوستوں سے بچھڑا، اسے پورا نہ کروں گا تو اپنے پرائے طعنے دیں گے کہ کم ہمت تھا، راستے میں آرام ملا تو بیٹھ رہا۔ خوف سے منزل تک نہ پہنچ پایا۔ خواہ مخواہ عشق کا دم بھرتا تھا۔''

بزرگ نے فرمایا۔'' شاباش'' جیتے رہو، خدا تمھیں اپنے مقصد میں کامیاب کرے۔ جواں مردی اور ثابت قدمی اسی کا نام ہے۔ تمھارا حوصلہ دیکھ کے امید ہوتی ہے کہ مہر نگار سے جو وعدہ کیا ہے اسے بھی پورا کرو گے۔''

اس گفتگو کے بعد بزرگ نے جان عالم کو ایک لوح عنایت کی۔ یہ بھی ایک طرح کا تعویذ تھا۔ اس نے سمجھایا کہ '' جب کبھی کوئی مصیبت پڑے اسے کھول کر دیکھ لینا اور جو فال نکلے

اس پر عمل کرنا۔ اللہ تعالیٰ ہر مشکل آسان کر دے گا۔ اچھا اب جاؤ۔ خدا حافظ، تمھارا اللہ نگہبان۔''

لوح لے کے شہزادہ ملکہ کے پاس آیا اور بولا۔'' تو اب ہم رخصت ہوتے ہیں۔ تمھیں خدا کو سونپے جاتے ہیں۔'' ملکہ نے چلنے کی بات سنی، کلیجہ تھام کے یہ شعر پڑھنے لگی ۔

میں مر گئی سن اس کے سر انجام سفر کا آغاز ہی دیکھا نہ کچھ انجام سفر کا
کہتے ہیں وہ اب جاتا ہے ایسی ہی دعا کر مسدود ہو رستہ دل ناکام سفر کا
مت جان نکمی مجھے، اے جان لیے چل کرتی چلوں گی ساتھ ترے کام سفر کا
میں کشور ہستی ہی سے اب کوچ کروں گی آگے نہ مرے لیجیو تو نام سفر کا
چلنے کی صلاح اس کے ٹھہرتی نہیں اب ساتھ موقوف نوازش ہوا آرام سفر کا

جس طرح پیٹھ دکھائے جاتے ہو اسی طرح ایک دن منہ دکھائیو کہ جدائی کا غم ہمارے دل سے دور ہو جائے۔

غرض جان عالم روانہ ہوا۔ مہر نگار کا روتے روتے برا حال ہو گیا۔ سہیلیوں نے سمجھایا کہ۔'' مسافر کے پیچھے رونا بدشگونی ہے۔ اللہ وہ دن بھی دکھائے گا جب مسافر صحیح سلامت لوٹ کے آئے گا۔''

خود مہر نگار بھی اپنے دل کو طرح طرح تسلیاں دیتی تھیں وہ کسی قابو میں نہ آتا تھا۔ دل بے قرار تھا۔ آنسوؤں پر کسی طرح اختیار نہ تھا۔ ہر وقت جان عالم کی جدائی میں گھلتی تھی۔

5

شہزادے کا ملک زرنگار میں پہنچنا

ملک زرنگار، ملکہ مہر نگار کے باغ سے چالیس منزل دور تھا۔شہزادے نے اس زمین پر قدم رکھا تو اس طرح کہ پیروں میں چھالے تھے اور ہونٹوں پر آہ و نالے تھے۔ چالیس منزل کا یہ سفر کئی مہینوں میں طے ہوا تھا مگر سفر کی تکلیفوں نے شہزادے کو نڈھال کر دیا تھا۔اب جو دوست کی نگری میں پہنچا تو جان میں جان آئی۔ جو جو پتے توتے نے بتائے تھے وہ سب اس علاقے میں پائے۔ چاروں طرف شادابی تھی۔ ہر سمت میٹھے اور ٹھنڈے پانی کے چشمے بہتے تھے۔جنگل ہرے بھرے تھے۔ ہر طرف انوکھی بہار تھی۔ ہوا خوشبوئیں بکھیر رہی تھی۔ جان عالم تیز تیز قدم اٹھاتا منزل کی طرف چلا جاتا تھا۔

ایک روز چار گھڑی دن رہے کیا دیکھتا ہے شمال کی طرف کوئی چیز سورج کی طرح چمک رہی ہے کہ اس پر نظر نہیں ٹھہرتی۔عقل حیران ہوئی۔ دل نے کہا ہو نہ ہو قیامت نزدیک آئی کہ سورج مشرق کو چھوڑ شمال سے نکلا۔انجمن آرا کو دیکھنے کی امید جاتی رہی کہ اب قیامت آئی تو نہ ہم ہوں گے نہ وہ اور نہ یہ دنیا کا کارخانہ۔قریب گیا تو پتہ چلا کہ دروازہ ہے،نہایت عالی شان اور آسمان سے باتیں کرتا ہوا۔اس پر سونے کا کام ہو رہا تھا اور اس پر اس کثرت سے لعل و یاقوت جڑے تھے کہ نظر نہ ٹھہرتی تھی۔ اس سے ایسی شعاعیں پھوٹتی تھیں کہ سورج کو ماند کرتی تھیں۔ شہزادے کو یقین ہوا کہ اب منزل آ پہنچی اور یہی وہ دروازہ ہے جس کی تلاش میں میں دربدر آوارہ

ہوا۔ خدا کا شکر ادا کیا اور سجدے میں گر پڑا۔

شہزادہ شہر پناہ کے دروازہ میں داخل ہوا۔ در و دیوار کو جگمگاتا پایا۔ اکثر مکان بلور بلکہ یاقوت کے بنے تھے۔ جگہ جگہ لوہے کے برج نظر آئے جن پر بھاری توپیں چڑھی ہوئی تھیں۔ توپوں کے دائیں بائیں جوان گولہ انداز بادلے دگلے پہنے ٹہل رہے تھے۔ زمین و آسمان ان کی ہیبت سے دہل رہے تھے۔ گلی کوچے صاف تھے۔ دروازے پر پانچ ہزار سوار اور لاکھ پیادوں کی چھاؤنی۔

جان عالم نے ایک سوار سے پوچھا۔ ''بھائی، اس شہر کا کیا نام ہے اور یہاں کا حاکم کون ہے؟'' اس نے غور سے دیکھا کہ ایک جوان ہے خوب صورت مگر سفر کی تکلیفوں سے نڈھال، صورت سے ریاست ٹپکتی ہے، آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟''

شہزادے نے کہا۔ ''واہ صاحب، یہ خوب ہے۔ سوال کچھ، جواب کچھ'' اس نے جواب دیا۔ ''اس ملک کو زرنگار کہتے ہیں۔''

یہ سننا تھا کہ شہزادے کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔ دل میں کہا قسمت نے یاوری کی اور آخر منزل پر پہنچا دیا۔ آگے بڑھا اور شہر کو دیکھ کے حیران ہونے لگا۔ ایک سے ایک عمدہ مکان، ایک سے ایک بڑھ کر دکان۔ جا بجا نہریں تھیں اور ان میں فوارے چھٹتے تھے۔ دکانیں ایسے قرینے سے تھیں کہ بزاز کے مقابل بزاز کی اور صراف کے مقابل صراف کی دکان تھی۔ دکانوں میں طرح طرح کے قیمتی سامان کے ڈھیر لگے تھے۔ خریداروں کی وہ کثرت تھی کہ چلنے والوں کے کپڑے پھٹے جاتے تھے۔

جان عالم خدا کی قدرت دیکھ کر عش عش کرتا تھا اور دل کہتا تھا کہ کیا ملک ہے، کیا سلطنت ہے اور کیا شہر و بازار ہے۔ کیسے بیوپاری اور کیسے خریدار ہیں۔ ہر شخص کو آرام و راحت حاصل ہے۔ کیا عمدہ بندوبست ہے۔ جب چوک میں آیا تو پوچھا۔ ''بادشاہ سلامت کی محل سرا کدھر ہے؟'' جواب ملا۔ ''داہنے ہاتھ کو سیدھے چلے جاؤ۔''

بازار طے کر کے جان عالم شاہی عمارتوں کے نزدیک آیا۔ ان عمارتوں کو اور بھی عجیب

پایا۔ ایسے محلات کسی بادشاہ نے خواب میں بھی نہ دیکھے ہوں گے مگر ایک عجیب بات یہ دیکھی کہ جو درباری یا ملازم ادھر سے گزرتا سیاہ ماتمی لباس پہنے ہوتا۔ اس کا ماتھا ٹھنکا اور پاؤں من من بھر ہو گئے۔ دل میں کہتا تھا خدا خیر کرے براشگون ہے۔

ذرا دیر میں ہٹو بچو کا شور اٹھا۔ دیکھا ایک پرانا خواجہ سرا، صورت سے نہایت ہوشیار محبوب علی خاں نام۔ سواری میں سوار آیا مگر وہ بھی سیاہ پوش۔ جان عالم نے بڑھ کے سلام کیا۔ اس نے محبت سے جواب دیا اور حیرت سے شہزادے کو دیکھنے لگا۔ بولا ''واہ وا کیا خدا کی قدرت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔ کیا صورت شکل ہے۔ چہرے سے کیسی ریاست ٹپکتی ہے۔'' پھر شہزادے کو مخاطب کر کے بولا۔ ''اے حسین! کس طرف سے آ کر اس دیار کو رونق بخشی اور اس منحوس شہر میں قدم رکھنے کا کیا سبب ہے؟''

شہزادے نے کہا۔ ''ہم اس شہر اور یہاں کے شہر یار کو دیکھنے کی خواہش دل میں لائے ہیں مگر خدا کے لیے یہ تو بتایئے کہ یہ کس کا ماتم ہے کہ جو ہے سیہ پوش ہے؟''

یہ سن کے خواجہ سرا رو دیا۔ بولا ''اے نوجوان! تو نے سنا ہو گا کہ اس ملک کی شہزادی انجمن آرا تھی جس کے حسن کا دنیا میں کہیں جواب نہ تھا۔ بہت سے شاہ اور شہر یار اس سے شادی کے امیدوار تھے۔ کتنوں نے اس کے لیے جانیں دے دیں۔ چار پانچ دن سے ہمارے نصیب ایسے سوئے کہ ایک جادوگر عیار مکار جادو کے زور سے اسے اڑا لے گیا۔

جان عالم نے جو یہ وحشت ناک خبر سنی تو ہوش و حواس جاتے رہے اور بے ہوش ہو کے زمین پر گر پڑا۔ خواجہ سرا سمجھ گیا کہ یہ بے چارہ محبت کا مارا ہے۔ وہ اپنی نادانی پر پچھتانے لگا کہ ایسی بری خبر یوں اچانک سنانی نہ تھی۔ ہر چند گلاب کیوڑہ چھڑکا مگر ہوش نہ آیا۔ شہزادے کو ہوش میں لانے کی ساری تدبیریں بے کار ہو گئیں تو خواجہ سرا پریشان حال بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا کہ ''انجمن آرا کا غم آج پھر تازہ ہو گیا''۔

بادشاہ نے سوال کیا۔ ''کیا بات ہے۔ خیر تو ہے؟''

خواجہ سرا نے بتایا کہ ''کسی ملک کا نہایت حسین شہزادہ انجمن آرا کی محبت میں دیوانہ ہوا

ہے اور تخت و تاج سے ہاتھ اٹھا کے یہاں پہنچا ہے۔ میں نے بتایا کہ شہزادی کو ایک جادوگر جادو کے زور سے اٹھا کر لے گیا تو اس کی حالت غیر ہوگئی اور شاید یہ سوچ کر کہ ۔

جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
حیف ہے اس سے ملاقات نہ ہونے پائی

ایک آہ بھری اور بے ہوش ہو کے زمین پر گر پڑا۔ ابھی تک تو ہوش آیا نہیں ہوش میں لانے کی جتنی تدبیریں کیں سب بیکار گئیں۔ خدا جانے جیتا بھی ہے یا مر گیا۔ ایسی سج دھج کا جوان آج تک تو اپنی نظر سے گزرا نہیں۔ اس شہزادے اور شہزادی کو ایک ساتھ دیکھیے تو ایسا لگے کہ دو سورج ایک ساتھ نکلے ہیں۔ آپ اس جوان کو دیکھیں گے تو شہزادی کو بھول جائیں گے۔''

بادشاہ بیٹی کی جدائی میں بے چین تھا۔ سوچا اس نوجوان کو بلا کے دیکھو اور دو باتیں کرو۔ شاید اسی طرح جی بہلے۔ درباریوں کو حکم دیا کہ ''جلد جاؤ اور جس طرح بن پڑے اس نوجوان کو لے کے آؤ۔''

لوگ دوڑے اور شہزادے کو مردے کی صورت اٹھا لے گئے۔ بادشاہ نے ہاتھ منہ دھلوایا، عبیر مشک چھڑکا، منہ میں کیوڑہ ٹپکایا، طرح طرح کی خوشبوئیں سنگھائیں۔ جب کہیں جان عالم ہوش میں آیا۔ گھبرا کے اٹھ بیٹھا۔ دیکھا کہ پکی عمر کا ایک شخص، چہرے پر بادشاہوں کا جلال، سر پر شاہی تاج جسم میں شاہانہ پوشاک جڑاؤ تخت پر بڑی آن سے بیٹھا ہے، چار ہزار غلام کمر میں سنہری پٹکے باندھے تلواریں کسے خدمت میں حاضر ہیں۔ امیر وزیر درباری سپہ سالار سب ادب سے کھڑے ہیں۔

شہزادہ ادب سے اٹھ کھڑا ہوا اور جھک کر اس طرح آداب بجالایا جس طرح بادشاہوں کو سلام کیا کرتے ہیں۔ بادشاہ نے گلے لگا کے اپنے پاس بٹھا لیا۔ جان عالم پر جب سے بادشاہ کی نظر پڑی تھی وہ اس پر فریفتہ ہو گیا تھا اور افسوس کرتا تھا کہ ایسا خوب صورت، دربار کے ادب آداب سے واقف اور نیک جوان ملا جسے وہ اپنی دامادی میں بلا جھجک قبول کر سکتا تھا تو شہزادی نہ رہی۔ سارے درباری بھی سکتے میں رہے۔ تاج و تخت کا ایسا وارث ہاتھ آئے اور محروم رہ جائے۔

شہزادے کی حالت تو کوئی ایسا ہی سمجھ سکتا ہے جو منزل پہ پہنچ کے ناکام ہو گیا ہو ۔

حسرت پہ اس مسافر بے کس کی رویئے
جو تھک گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے

مگر شریفوں کا یہ طریقہ نہیں کہ مجلس میں آہ وفریاد کریں۔شہزادہ شرم و حیا کا پتلا تھا، محفلوں کے طور طریقوں سے واقف تھا۔ سینے میں غم کا طوفان اٹھا مگر اس نے سہہ لیا۔ بادشاہ نے نام اور مقام پوچھا، باپ دادا کے بارے میں دریافت کیا۔شہزادے نے سارے سوالوں کا ادب سے جواب دیا۔ پھر شہزادی کا حال پوچھا۔

بادشاہ نے فرمایا۔''اے عزیز! کیا عرض کروں۔ مدت سے ایک جادوگر اس فکر میں تھا کہ کسی طرح جادو کے زور سے اڑا لے جائے مگر بس نہ چلتا تھا۔ میں نے خطرے کی بو سونگھ کے نگرانی کا بندوبست بہت سخت کر دیا تھا مگر وہ بڑا عیار تھا۔ایک دن اپنی کوشش میں کامیاب ہو ہی گیا۔اس حادثے کے بعد سے آج تک میں محل میں نہیں گیا ہوں،اب محل محل نہیں رہا، ماتم خانہ بن گیا ہے۔ ہر طرف سے برابر رونے پیٹنے کی آوازیں آتی ہیں۔کھانا پینا حرام ہے۔''

جان عالم نے سوال کیا۔''کیا یہ بھی اندازہ ہے کہ وہ جادوگر شہزادی کو کدھر لے گیا؟''

بادشاہ نے فرمایا۔''پانچ کوس تک پتہ چلتا ہے۔اس کے آگے ایک قلعہ ہے جس کی فصیل ہے۔ وہاں کا حال نہیں کھلتا۔شاید یہ سب جادو کا کارخانہ ہے۔''

شہزادے نے کہا۔''خیر اگر زندگی باقی ہے تو اس جادوگر کو جہنم کی سیر کراتا ہوں اور شہزادی کو صحیح سلامت لے کے آتا ہوں۔اچھا قبلہ خدا حافظ۔''

بادشاہ لپٹ گیا۔کہا''بابا خدا کے واسطے اس خیال سے باز آ۔ وہ جادو کا کارخانہ ایسا ہے جس کے اندر داخل ہونا ناممکن ہے۔ پھر یہ کہ مجھے تیری جدائی کب گوارہ ہے۔ بیٹی کو تو دھوکے میں کھویا، تجھے جان بوجھ کے آگ میں جھونک دوں۔ میں بڑھاپے میں یہ بدنامی مول نہیں لے سکتا۔ یہ سلطنت حاضر ہے۔ میں تو بوڑھا ہو گیا۔اب تو اس پر راج کر۔ میں اب کسی گوشے میں بیٹھ کر اللہ اللہ کروں گا۔''

شہزادے نے جواب میں عرض کیا۔'' یہ راج پاٹ حضور کو مبارک رہے۔ مجھے سلطنت ایسی ہی عزیز ہوتی تو خواہ مخواہ اپنا گھر چھوڑ کر کیوں دربدر آوارہ پھرتا۔ خدا کا دیا سبھی کچھ تھا۔ میں شہزادی کی خاطر سفر کی کتنی تکلیفیں برداشت کر کے یہاں تک پہنچا۔ اب یہ طعن سنوں کہ پرائی سلطنت اپنا کے بیٹھ گیا۔ لوگ کہیں گے کہ جادوگر شہزادی کو اٹھا لے گیا۔ یہ بے غیرت تماشا جیتا رہا۔ جس مددگار نے ہزار بلا سے بچا کر یہاں تک زندہ و سالم پہنچایا ہے وہی وہاں سے بھی کامیاب و کامران لا کر پھر آپ سے ملائے گا ورنہ اپنی منحوس صورت ہرگز نہ دکھاؤں گا۔ بے حیائی کے جینے سے مرنا بہتر۔ جب گھر سے چلا تھا تو عقل روکتی تھی۔ پاؤں پڑتی تھی کہ یہ نادانی نہ کر، جان بوجھ کے دوزخ میں نہ پڑ۔ سلطنت سی چیز ہر کسی کو میسر نہیں آتی۔ آرام سے حکومت کر، مگر عشق کہتا تھا کہ جسے جی چاہے اس کے بغیر زندگی گزارنا بیکار ہے۔ دولت، عزت، شہرت، سلطنت سب آنی جانی چیزیں ہیں، عقل کہتی تھی، آبرو کا پاس کر، خاندان کے نام پر دھبہ مت لگا، دربدر آوارہ نہ ہو، عشق سمجھاتا تھا، یار کے ملنے میں عزت ہے، جنگل جنگل بھٹکنے میں راحت ہے، عقل کہتی تھی شاہی لباس کی نرالی شان ہے، جو اسے پھاڑ پھینکے بڑا نادان ہے، عشق کہتا تھا، عقل دیوانی ہے۔ سب سے اچھا لباس عریانی ہے۔ یہ وہ لباس ہے جو پھٹے نہ خراب ہو، نہ اسے دھونے کی ضرورت نہ رفو کی حاجت، نہ اسے چور لے جائے، نہ کبھی یہ گلے سے جدا ہو نہ کبھی جسم پر بوجھ ہو۔''

اس تکرار میں عشق کی جیت ہوئی۔ عقل نے مات کھائی۔ ملک زرنگار کی تلاش میں لمبا سفر شروع ہوا۔ ایک پرندہ رہنما ہوا۔ بچپن کا دوست ایک وزیر تھا وہ تنہائی کا شریک اور سفر کا ساتھی ہوا۔ قافلہ روانہ ہوا مگر بدقسمتی یہ کہ توتا اڑ گیا۔ ایک ہرن کے ملنے سے ساتھی بچھڑ گیا۔ پھر تو تنہائی نے جنگل جنگل بھٹکایا، آخر جادو میں پھنسایا قسمت نے ہمیں رلا کر دشمنوں کو ہنسایا۔ تھوڑی مصیبت اٹھا کے رہائی پائی۔ آخر ملک زرنگار کا راستہ مل گیا مگر سواری چھوٹی اب پیدل چلنا پڑا۔ پھر ایک پریوں کے اکھاڑے میں گزر ہوا۔ وہاں ملکہ مہرنگار فریفتہ ہوئی۔ طرح طرح کے یقین دلا کے اور وعدے کر کے وہاں سے اجازت ملی۔ پھر سفر شروع ہوا۔ آخر ہزار مصیبتیں اٹھا کے اپنی منزل تک پہنچا۔ اب گھر پہنچ کے دھوکا کھانا جان بوجھ کر بھول جانا کہاں تک مناسب ہے۔ مجھے

مرنا گوارہ ہے مگر اس خیال سے باز آنا منظور نہیں۔''

یہ خبر محل میں پہنچی کہ ایک شہزادہ انجمن آرا پر شیدا ہوا ہے اور اسے پانے کے لیے بڑی تکلیفیں اٹھا کے یہاں تک پہنچا ہے۔ جب اس نے یہ سنا کہ جادوگر شہزادی کو اٹھا لے گیا اور آگ سے بھرے قلعے میں قید کر دیا تو وہ بھی اس آگ میں کودنے کے لیے تیار ہو گیا ہے۔ انجمن آرا کی ماں نے یہ ماجرا سنا تو محل سرا کے دروازے تک دوڑی چلی آئی۔ خواجہ سرا نے یہ قصہ بادشاہ کو سنایا اور عرض کیا کہ۔''جلد شہزادے کو لے کر محل میں تشریف لایئے۔'' بادشاہ شہزادے کو محل میں لے گیا۔ انجمن آرا کی ماں نے بلائیں لیں اور دعائیں دیں۔ سب نے شہزادے کا صدقہ اتارا۔

بادشاہ نے بڑی مشکل سے شہزادے کو اس پر راضی کیا کہ کسی طرح رات گزار لے پھر سفر پر روانہ ہو۔ دسترخوان پر کھانا چنا گیا مگر شہزادے نے انکار کیا لیکن آخر یہ سوچ کر دو چار لقمے لے لیے کہ جب سے انجمن آرا بچھڑی ہے سب کا کھانا پینا حرام ہے شاید میرے بہانے دوسرے بھی کچھ چکھ لیں۔

کھانے سے فارغ ہو کے شہزادہ سونے کے لیے لیٹ گیا مگر نیند کہاں۔ وہ رات تو پہاڑ ہو گئی۔ کسی طرح کاٹے نہ کٹتی تھی۔ آخر خدا خدا کر کے پو پھٹی اور دن نکلا۔

شہزادہ نماز سے فارغ ہوا۔ کامیابی کے لیے خدا سے دعا کی اور سفر کے لیے آمادہ ہوا۔

رات کو یہ خبر عام ہو گئی تھی کہ کل شہزادہ جادوگر سے ٹکر لینے روانہ ہوگا۔ پہر رات رہے سے دیوان خاص کے دروازے پر بھیڑ تھی اچانک بادشاہ کی سواری نظر آئی۔ ان کے برابر شہزادہ بیٹھا ہوا تھا۔ دیکھنے والوں کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ لوگ سواری کے ساتھ ساتھ دور تک دوڑتے ہوئے آئے اور برابر شہزادے کی کامیابی کی دعائیں مانگتے رہے۔

آخر وہ مقام آ گیا جہاں سے خطرناک سفر شروع ہوتا تھا۔ شہزادے نے خوشامدیں کر کے اور قسمیں دے دے کے رخصت کیا۔ بادشاہ لاچار ہو کر لوٹا اور قلعے میں داخل ہو گیا مگر خبر رسانوں کی ڈاک بٹھا دی کہ پل پل کی خبریں قلعے میں پہنچائی جائیں۔

شہزادے نے تنہا دشت پر خطر میں قدم رکھا۔ آگ کا قلعہ سامنے تھا۔ زمین سے آسمان تک لپکتے ہوئے شعلوں اور چٹختے ہوئے انگاروں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ شہزادہ دوزخ کے اس نمونے کو غور سے دیکھنے لگا۔ ایک ہرن اس آگ سے نکلا اور اچھل کود کے پھر اسی میں غائب ہو گیا۔ شہزادے نے بزرگ کی دی ہوئی لوح نکال کے دیکھی۔ اس میں تحریر تھا کہ یہ اسم پڑھ کے ہرن کے تیر مار۔ اگر کامیاب ہوا تو طلسم ٹوٹ جائے گا۔ تیر خطا ہوا تو آپ جان سے جائے گا۔ کوئی راکھ کے سوا پتہ نہ پائے گا۔

شہزادے نے دل میں کہا بسم اللہ۔ اس کام میں دیر نہ کرنی چاہیے۔ کامیاب ہو کے جیے تو جینا ہے ورنہ موت بھلی۔ یا ابھی یہ طلسم ٹوٹ جائے گا یا پھر ہم اس دنیا میں نہ ہوں گے۔ تیر نکال کے کمان سے جوڑ لیا اور نشانہ باندھا، ادھر وہ ہرن آگ سے نکلا ادھر اس نے اسم الٰہی پڑھ کے تیر چھوڑا۔

ایک تو شہزادہ بلا کا نشانہ باز دوسرے خدا کی مدد شامل حال تھی۔ تیر ہرن کے جسم میں ترازو ہو گیا۔ ہرن زمین پہ گرا تو ایک دہشت ناک شور بلند ہوا۔ ہاں ہاں لیجیو گھیر یو، جانے نہ پائے۔ قریب تھا کہ خوف سے دم نکل جائے۔ چاروں طرف غبار بلند ہوا اور رات کی سی تاریکی چھا گئی۔ ذرا دیر میں وہ تاریکی دور ہوئی، سورج نمودار ہوا، نہ آگ رہی نہ قلعہ، دور تک ہموار میدان نظر آتا تھا۔ سامنے جادوگر کی جھلسی ہوئی لاش پڑی تھی۔ کالا بھجنگا ننگا بدن، ہونٹوں سے باہر نکلے زرد زرد دانت دور سے نظر آتے تھے۔ بالوں کی ادھ جلی لٹیں زمین پر بکھری تھیں، گلے میں ہڈیوں اور کھوپڑیوں کا ہار تھا، تیر سینے کے پار تھا۔ شہزادہ یہ سماں دیکھ خدا کا شکر بجالایا۔ سجدے میں گر پڑا۔ پھر بہادروں کی طرح آگے بڑھا۔ بادشاہ کے ہرکارے دور کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ وہ فوراً شاہی قلعے کی طرف دوڑے۔ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر آداب بجالائے اور فتح کی خوش خبری سنائی اور آگ کے قلعے کا جو انجام اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا وہ سب بتایا۔

بادشاہ اور محل کے دوسرے لوگوں کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ سب نے خدا کا شکر ادا کیا۔ بادشاہ نے فتح کی خبر لانے والوں کو انعام سے مالا مال کر دیا اور خوش ہو کے فرمایا کہ

''شہزادہ عمل کا پتلا اور عزم کا پکا ہے، وہ جس کام کے ارادے سے روانہ ہوا ہے اس میں انشاءاللہ ضرور کامیاب ہوگا۔''

ادھر شہزادے نے بے خوف اپنا سفر جاری رکھا۔ میدان پر خطر کو پار کر کے وہ اس جگہ جا پہنچا جہاں انجمن آرا قید تھی۔ وہ قلعہ بھی عجیب تھا۔ نہ زمین پر تھا نہ آسمان پر بلکہ ہوا میں لٹکا ہوا تھا۔ یہ قلعہ زمین سے کوئی چار پانچ گز اونچا تھا۔ کمہار کے چاک کی طرح تیزی سے چکر لگا رہا تھا۔ جان عالم نے نزدیک جا کے کچھ پڑھا۔ قلعہ کی گردش تو بند ہوگئی مگر وہ ہوا میں لٹکا رہا۔ اب پتہ چلا کہ ایک قلعہ ہے نہایت شان دار اور جواہر نگار۔ دروازے چار ہیں۔ مگر برج بے شمار۔ قلعہ کی اونچائی اتنی کہ گردن اٹھا کے دیکھو تو پگڑی پیچھے کو گر پڑے۔ اندر جانے کے سارے راستے بند ہیں۔

جہاں جان عالم کھڑا تھا اس کے نزدیک ہی ایک زمرد کا بنگلہ نظر آیا۔ اس میں سے آواز آئی۔ ''اے اپنی جان کے دشمن! کیوں موت کے فرشتے کو چھیڑتا ہے اور کیوں زندگی سے منہ پھیرتا ہے۔ مجھے تیرے حسن وصورت پہ رحم آتا ہے۔ جلد سے جلد یہاں سے چلتا بن۔ یہ تیرا پہلا قصور تھا جسے تیری شکل وصورت کی وجہ سے ہم نے معاف کیا۔ اگر باز نہ آیا تو اس بے دردی سے قتل کروں گا کہ آسمان تیرے حال پر روئے گا۔ کسی کو تیری خاک کا نشان نہ ملے گا۔ بادشاہ الگ تیرے غم میں جان کھوئے گا۔ جنگل کی خاک تیرے خون سے سرخ ہو جائے گی۔''

شہزادے نے ہنس کر جواب دیا۔ ''او نامراد! تو کیا ہماری خطا معاف کرے گا۔ خواہ مخواہ بکواس کر کے ہمیں غصہ دلاتا ہے۔ تیرا بڑا بول دو گھڑی میں تیرے آگے آتا ہے۔ اور تو کیا کہوں۔ انشاءاللہ ذرا دیر میں تجھے بھی اس خبیث جادوگر کے پاس بھیجتا ہوں۔''

یہ سن کے وہ جھلایا۔ اس بدمعاش نے بنگلے سے سر نکالا اور تھوڑے ماش کے دانے پھینکے۔ اس کے ساتھ ہی آسمان زور زور سے چکر کھانے لگا۔ زمین تھرانے لگی۔ اس کے بعد سرسوں میں بنولے اور رائی ملائی۔ پھر تو تامینا اور لونا چماری کو پکارا اور وہ دانے آسمان کی طرف اچھال دیے۔ ایک دم گہری کالی گھٹا گھر آئی اور شہزادے پر پتھر اور آگ کا مینھ برسنے لگا۔ یہ بھی

توڑ کے لیے لوح میں دیکھ دیکھ کے اسمائے الٰہی پڑھتا اور آگے بڑھتا جاتا تھا۔ آگ قریب آتی تو پانی بن کے بہہ جاتی اور پتھر راکھ بن کے بکھر جاتے۔ جادوگر کھسیا کے نئی تدبیریں کرتا اور بوکھلا بوکھلا کے نئے حملے کرتا۔

بہت دیر تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ آخر کار شہزادے نے لوح کے خانوں پر نظر دوڑائی، ایک خانے میں لکھا تھا۔ ''کسی طرح لوح کو قلعے کی دیوار سے لگا دے پھر خدا کی قدرت کا تماشا دیکھ۔'' شہزادے نے ہمت سے کام لیا۔ دوڑا اور اچک کر لوح قلعے کی دیوار سے چھوا دی۔ قلعے پر ایک دم آفت ٹوٹ پڑی۔ پہلے سے بھی زور سے چکر کھانے لگا اور اس سے ایسی آوازیں نکلنے لگیں جیسے ایک ہزار توپیں ایک ساتھ چھوٹ رہی ہوں۔ چار گھڑی بعد نہ قلعہ تھا اور نہ مکانات۔ سامنے ایک ریت کا ٹیلہ تھا۔ اس کے گرد سرکنڈے گڑے ہوئے تھے اور ان پر نیلے نیلے رنگ کا سوت لپٹا ہوا تھا۔ اس میں کچھ پھندے پڑے تھے۔ سرکنڈوں کے پیچھے وہ چاند کی مورت، حور کی صورت پریشان بدحواس بیٹھی تھی۔ کوئی آس نہ پاس۔ جان عالم نے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ شہزادی کو اس حالت میں دیکھ کے اس کی حالت غیر ہوگئی۔ جسم کپکپانے لگا اور پاؤں لڑکھڑانے لگے۔

انجمن آرا نے شرما کے سر جھکا لیا۔ بولی۔ ''سنبھلو صاحب، یہ کیا کرتے ہو، کچھ پاس لحاظ بھی ہے۔ بے تکلف پاس چلے آئے ہو۔ کوئی دیکھے گا تو کہے گا دیوانے ہو۔'' شہزادی نے کہنے کو تو یہ کہہ دیا مگر شہزادے کو ایک نظر دیکھتے ہی اس پر ہزار جی سے فدا ہوگئی۔ ادھر شہزادے کا یہ حال ہوا کہ کھڑے رہنے کی طاقت نہ رہی، غش کھا کے گر پڑا۔

انجمن آرا یہ حالت دیکھ کے سمجھ گئی کہ یہ نوجوان بھی ہم پر جان کھوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی بلا سے نہ ڈرا، سر بیچ کے اس خوفناک میدان میں قدم رکھا۔ کوئی اور اس کی طرح ہم پر جان نثار کرنے والا نہ تھا۔ اتنے دن یہاں بے کسی میں گزرے کسی نے آ کے حال نہ پوچھا۔ کون اپنی جان کسی کے لیے جوکھم میں ڈالتا ہے۔ آخر شرم روکتی رہی لیکن شہزادی نے جان عالم کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ چہرے سے گرد پونچھی۔ اس بے چاری نے کب کسی کو غش کھاتے دیکھا تھا۔ گھبرا کے رو پڑی۔ جان عالم کے منہ پر آنسوؤں کی بوندیں ٹپکیں تو ہوش آ گیا۔

آنکھیں کھول دیں۔ انجمن آرا نے شرما کے اپنا گھٹنا سرکایا۔ اس نے ادھ کھلی آنکھوں سے شہزادی کا چہرہ دیکھا اور بولا کہ ہماری ہوشیاری سے تو بے ہوشی اچھی تھی۔

ادھر تو جان عالم اور انجمن آرا میں نوک جھونک ہو رہی تھی ادھر شاہی ہرکارے پل پل کی خبریں قلعے میں پہنچا رہے تھے۔ بادشاہ نے سنا کہ بیٹی جادوگر سے آزاد ہو گئی تو باغ باغ ہو گیا۔ فوراً درباریوں کے ساتھ روانہ ہوا اور ایک سکھپال جو شہزادی کی سواری کے لائق تھا ساتھ لے لیا۔

بات کی بات میں بادشاہ اپنی بیٹی کے پاس آ پہنچا۔ کہاریاں بادشاہ کا تخت قریب لائیں۔ انجمن آرا منہ چھپا کر بیٹھ گئی۔ جان عالم چپ چاپ پاس سے ہٹ گیا۔ بادشاہ تخت سے اترا۔ سب سے پہلے جان عالم کو گلے سے لگایا۔ اس کی بے مثال بہادری کی تعریف کی اور بہت سی دعائیں دیں۔ پھر بیٹی کو چھاتی سے لگا کے سکھپال میں سوار کیا۔ شہزادے کو اپنے برابر تخت پر بٹھا لیا۔ اب سلطنت کے خیر خواہ اور ملازمان سرکار نزدیک آئے، انھوں نے منوں سونا چاندی تخت اور سکھپال پر سے نثار کیے۔ اس قدر اشرفی روپیہ صدقے ہوا کہ آج تک جو محتاج مسافر ادھر جاتے ہیں چاندی سونا پاتے ہیں نصیب جاگ جاتے ہیں۔

تھوڑی دیر میں فوج اور نوبت نشان بلکہ سارا سامان آ جمع ہوا۔ اہل شہر نے یہ خبر سنی تو خوشی سے باولے ہو گئے، خوشی کے شادیانے بجاتے، مبارک سلامت کا غل مچاتے ہوئے جمع ہو گئے۔ سب کی عید ہو گئی، شہر کی رونق پھر سے لوٹ آئی محل میں خوشی کی محفل گرم ہو گئی۔

انجمن آرا کی ماں گرد پھرتی تھی، بار بار زمین پر سجدے کرتی تھی۔ کہتی تھی۔ ''اللہ نے جان عالم کی بدولت ہمارے دن پھیرے'' بادشاہ کہتا تھا ''اے خدائے پاک! جس طرح ہماری بیٹی اور ہم ملے سارے بچھڑے تیرے کرم سے اسی طرح ملیں، سب کی مرادوں کے پھول کھلیں''۔ سب جان عالم کی بہادری کی داد دیتے تھے کہ یہ ناممکن کام اسی کے دم سے ممکن ہوا۔

انجمن آرا جب یہ نام سنتی، خوشی سے کھل جاتی مگر لوگوں کو سنانے کو کہتی۔ ''صاحبو! بار بار یہ کیا کہتے ہو۔ میرا مقدر سیدھا نہ ہوتا تو وہ کون تھا جو میرے دن پھیرتا۔''

شہزادی کی سہیلیاں تاڑ گئیں کہ دل میں کچھ اور ہے، زبان پر کچھ اور۔ یہ ساری باتیں صرف سنانے کے لیے ہیں۔ جب انجمن آرا کی ماں پاس سے سرکی تو انھیں چھیڑ چھاڑ کرنے کا موقع مل گیا۔ پاس آ کے بولیں۔ ''ہے ہے، ہم تو تیری جدائی میں تڑپتے تھے، زندگی کے دن بھرتے اور گھڑیاں گنتے تھے۔ یہ صورت اللہ نے دکھائی بلکہ یوں کہو کہ جان عالم کی جوتیوں کے صدقے نظر آئی۔ جیسے خدا نے ہم سب کی خواہش پوری کی اسی طرح جان عالم کے جی کی مراد بھی خدا پوری کرے۔''

انجمن آرا غصے کی شکل بنا، تیوری چڑھا کے کہنے لگی۔ ''شاید تم سب کی شامت آئی ہے جو یہ بک بک مچائی ہے۔ تم نے خوب میری چڑھ نکالی۔ خدا جانے یہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ اسے تو کیا کوسوں، وہ بے چارہ تو مسافر ہے۔ جی میں آتا ہے ان کا منہ نوچ لوں جو مجھے تنگ کر رہے ہیں۔ اب کوئی مجھے چھیڑے گا تو میں رو دوں گی اور اپنا سر پیٹ لوں گی۔'' یہ کہہ کے مسکرا دی۔

شہر میں منادی ہو گئی کہ خوشیاں مناؤ، سارے شہر کو دلہن کی طرح سجاؤ، ناچ رنگ کی خوب محفلیں جماؤ۔ سلطنت کے خیر خواہ نظریں لے کے حاضر ہوئے۔ شاہی ملازم انعام سے مالا مال ہوئے۔ غرض گھر گھر عید ہو گئی۔ خوب خوب نذریں نیازیں ہوئیں۔ محتاجوں نے ایسی خیرات پائی کہ کبھی خواب میں اتنا روپیہ پیسہ اور سونا چاندی نہ دیکھا ہو گا۔ ہر طرف مبارک سلامت کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ ناچنے والیاں ناچتی تھیں اور گانے والیاں یہ گاتی تھیں ؎

شادی و جشن سزاوار مبارک ہووے — آج شہزادی کا دیدار مبارک ہووے
صدوسی[130] سال سلامت رہے باامن واماں — حسن کی گرمی بازار مبارک ہووے
وہ بھی دن آئے جو سہرا بندھے سر پر اس کے — سب خوشی سے کہیں ہر بار مبارک ہووے
بعد شادی کے خدا دے کوئی فرزند رشید — ہم کہیں آ کے یہ دل دار مبارک ہووے

خار رکھتے ہیں کمبخت جو دشمن ہیں سرور
دوستوں کو گل و گلزار مبارک ہووے

6

شہزادے کی انجمن آرا سے شادی

آخر جشن سے سب کو فرصت ہوئی۔ایک دن بادشاہ محل سرا میں آرام کرتا تھا۔بی بی سے ادھر ادھر کی بات چل نکلی۔بولا یہ جان عالم کا احسان جو ہم سب پر ہے اس سے تو سبھی واقف ہیں۔یہ بات بھی سب کو معلوم ہے کہ انجمن آرا کے حسن کا ذکر سن کے بغیر دیکھے اس پر فریفتہ ہو گیا۔سلطنت کھو کے اور اپنا چین آرام تج کے یہاں تک پہنچا۔یہاں آ کے جو کام انجام دیا اسے ہم سے زیادہ کون جانتا ہوگا۔کیسے زبردست اور موذی جادوگر کو شکست دی۔اس کے طلسم کی دھجیاں اڑا دیں۔اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر اسے قید سے چھڑایا۔اس کے علاوہ صورت شکل ایسی کہ آج تک ایسا نہ دیکھا اور نہ سنا۔شہزادہ ایسے بڑے ملک کا دور دور اس کا شہرہ ہے۔خاندان اعلیٰ اور عزت والا۔مطلب یہ کہ کسی چیز کی کمی نہیں۔آج کیا ہے۔کل کیا ہو۔مثل مشہور ہے آج کا کام کل پر نہ ٹالو۔اب چاہیے کہ فوراً شادی کی تیاری ہو۔"

ملکہ نے کہا۔"جو بات آپ کے خیال میں آئی ہے میں بھی دل سے یہی چاہتی تھی۔"

بادشاہ نے کہا۔" آج انجمن آرا سے اس سلسلے میں گفتگو کر لو اور اس کی رضا مندی حاصل کر کے کل سے تیاری شروع کر دو۔"

بادشاہ یہ فرما کے دربار کے لیے تشریف لے گیا، ماں نے انجمن آرا کو طلب کیا۔دو چار مغلانیاں، آتوں اور محلداریں بھی بلائی گئیں۔شہزادی کی بہت سی سہیلیاں بن بلائے چلی

آئیں۔ ماں نے بیٹی کو گلے لگایا، پیار کیا اور یوں بات شروع کی۔ ''سنو بیٹی۔ دنیا کے کارخانے میں یہ رسم ہے کہ بادشاہ کے گھر سے فقیر تک بیٹی کسی کی ماں باپ کے پاس ہمیشہ نہیں رہتی، غیرت دار گھر میں جوان بیٹی ماں باپ کے لیے شرمندگی کا باعث ہوتی ہے۔ خدا اور رسول کا حکم بھی یہی ہے کہ جوان بیٹی کو بٹھا نہ رکھو، جتنے جلدی بن پڑے شادی کر دو۔ یہ بھی نہ بھولنا چاہیے کہ ایک شخص نے تمھارے واسطے گھر چھوڑا۔ سلطنت سے منہ موڑا، ہر آفت کا مردوں کی طرح سامنا کیا، جی پر کھیل گیا۔ کیا بلائیں جھیل گیا۔ جب کہیں تم نے ہم کو دیکھا۔ ہم نے تمھاری صورت دیکھی۔ خدا نے شکل ایسی دی ہے کہ سارا شہر اس پر نثار ہے۔

انجمن آرا نے یہ سن کر سر جھکالیا، رونے لگی۔ کہا۔ ''اماں حضور! صورت شکل کا کیا ذکر کرتی ہو۔ یہ اللہ کی قدرت ہے۔ کسی کو بگاڑا۔ جہاں پھول ہے وہاں کانٹا بھی ہے۔ برے نہ ہوں تو اچھے اچھے نظر نہ آئیں۔ احسان سے دب کے یہ بات کہتی ہو تو دنیا کا کارخانہ اسی طرح چلتا ہے۔ ایک کا کام دوسرے سے ہوتا آیا ہے۔ یہ شخص نہ آتا اور میری قسمت میں قید سے رہائی ہوتی تو کوئی نہ کوئی سامان ہو جاتا۔ کوئی اور اللہ کا بندہ آ کے یہ کام انجام دیتا۔ میری قسمت کم بخت بری ہے۔ ایک مصیبت سے چھڑا دوسری آفت میں پھنسایا۔ اپنے بیگانوں کے طعنے سننے پڑے کہ یہ آیا، مجھے قید سے چھڑایا، خدا جانے وہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے۔ اپنے تئیں شہزادہ بنایا ہے۔ میں آپ کی لونڈی ہوں۔ ہر طرح فرماں بردار ہوں۔ اگر کنویں میں جھونک دو تو گر پڑوں، اف نہ کروں مگر آپ اس کی شکل پر ریجھ کر اور اس کی محنت پر نظر کر کے یہ رشتہ کرنا چاہتی ہیں تو میں راضی نہیں ہوں۔ اگر اس کی محنت کا بدلہ دینا چاہتی ہیں تو روپیہ، اشرفی، جاگیر عنایت کیجیے کہ اس کا کام ہوا اور آپ کا نام ہو۔''

بیٹی کی یہ باتیں سن کے ماں بہت ہنسی۔ کہا۔ ''شاباش بیٹی، تم نے اس کی جاں نثاری کی اچھی قدر کی۔ وہ تمھارے انعام کا محتاج ہے؟ اری نادان، وہ تو خود تخت و تاج کا وارث ہے۔''

شہزادی کی سہیلیاں بھی ہنسیں کہ انجمن آرا نے شہزادے کو مزدور ٹھہرایا۔ بوڑھی تجربے کار آتوں اور مغلانیاں بھی حاضر تھیں۔ وہ بولیں۔ ''بیٹی، قربان جائیں، ماں باپ کا کہا نہ ماننے

سے خدا اور رسول ناخوش ہوتے ہیں۔ انکار مناسب نہیں اور خدانخواستہ یہ کیا تمھاری دشمن ہیں جو بے دیکھے بھالے کسی کے کہنے سننے سے تمھیں کسی راہ چلتے کے حوالے کردیں گے۔ انسان اپنی زندگی میں ہر روز عقل سیکھتا ہے، اونچ نیچ سمجھتا ہے، اب تم خیر سے سیانی ہوگئیں مگر ابھی تک بچپنے کی باتیں کرتی ہو، کھیلنے کودنے کے سوا کچھ نہیں جانتیں۔''

انجمن آرا نے جواب نہ دیا۔ سر زانو پر رکھ لیا لیکن وہ جو امیر زادیاں اس کی دوست اور ہم نشیں تھیں، جن سے اس بات کے روز مشورے رہتے تھے، بولیں۔ ''ہے ہے لوگو! تمھیں کیا ہوا ہے۔ آتوں جی صاحب، بے ادبی معاف، آپ نے دھوپ میں جھونٹا سفید کیا ہے۔ خیر ہے صاحبو، دلہن سے صاف صاف کہلوانا چاہتے ہو۔ دنیا کی شرم و حیا نگوڑی کیا اڑ گئی۔ بھلا ماں باپ کا کہا کسی نے ٹالا ہے جو یہ ٹالیں گی۔ مثل مشہور ہے خاموشی آدھی رضا مندی۔ بڑوں کے آگے اور کہنا کیا۔''

یہ سن کے پرانی آتوں نے جس نے انجمن آرا کو پالا پوسا اور پڑھایا لکھایا تھا مبارکباد کہہ کے انجمن آرا کی ماں کو نذر دی۔ محل میں قہقہے مچے، شہزادی رونے لگی۔ سارے درباریوں نے نذریں پیش کیں۔ نوبت نقارے بجنے لگے، توپیں چھٹنے لگیں۔ ہر طرف سے مبارک سلامت کی آوازیں آنے لگیں۔

شادی کی تیاریوں کا وقت آیا تو بادشاہ نے وزیر اعظم سے فرمایا کہ۔ ''شہزادہ مسافر ہے۔ ہمارا مہمان ہے۔ تم ہر طرح کے امتحان کی صلاحیت رکھتے ہو۔ اس کی طرف سے سارا بندوبست تم کرو۔''

وزیر آداب بجالایا۔ بادشاہ نے اسے ہاتھی پالکی سے سرفراز کیا۔

رمّال، نجومی، پنڈت دربار میں بلائے گئے۔ انھوں نے حساب لگا کے مبارک وقت کا پتہ لگایا تاکہ شادی کا دن اور وقت طے کیا جائے۔ آخر سب کچھ طے ہوگیا۔ شبھ گھڑی۔ مانجھے کا جوڑا دلہن کے گھر سے چلا۔ ہزاروں پکھراج کی کشتیوں میں زعفرانی جوڑے لگائے گئے۔ سنہرے خوانوں میں پینڈیاں سجیں، میووں کے طشت تیار ہوئے، دودھ کے واسطے اشرفیوں کے

گیارہ توڑے، طلائی چوکی، جواہر جڑا زمردنگار کٹورا، بٹنا ملنے کا کنگنا، بیل بوٹوں والی ملتان کی لنگی، کنٹروں میں بھرا ہوا کشمیر کا عطر اور ابٹن محمد شاہی ارگجا اور طرح طرح کی چیزیں سلیقے سے سجائی گئیں۔ یہ سامان لے کے جلوس روانہ ہوا۔ جلوس میں ہاتھی اور گھوڑے شامل تھے۔ زنانی سواریاں سکھپالوں اور چنڈولوں میں سوار تھیں۔ ان سواریوں کو زرق برق پہنے کہاریاں چھم چھم کرتی لیے جاتی تھیں۔ جلوس کے آگے نوبت نقارہ بجتا تھا۔

یہ جلوس جن بازاروں اور سڑکوں سے گزرا وہ خوشبو میں بس گئے۔ وہاں دلہن اور دولہا نے مانجھے کے جوڑے پہنے۔ چاروں طرف منادی ہوگئی۔ سب رنگین لباس جس سے خوشبو برستی ہو وہ پہنیں۔ جو سفید پوش نظر آئے گا اپنے خون سے سرخ ہوگا۔ یعنی گردن مارا جائے گا۔ خود بادشاہ نے رنگین لباس پہنا اور رنگ کھیلنے لگا۔ ساری رعایا ہولی کی کیفیت بھول گئی۔ سارے شہر میں سرخ اور زرد نالے بہ گئے۔ گلی کوچوں میں عبیر اور گلال کے ڈھیر لگ گئے۔ اعلان ہوا کہ آج سے چوتھی تک سب لوگ کاروبار بند کردیں۔ اپنے اپنے گھر میں جشن کریں، ناچ دیکھیں۔ جس چیز کی ضرورت ہو وہ سرکار سے لیں۔ ہندوؤں میں پوری، کچوری، مٹھائی، اچار تقسیم ہوا۔ مسلمانوں کو پلاؤ، قلیہ، زردہ، قورمہ، شیر مال، فیرنی، کباب عطا ہوئے، صوبے داروں کو حکم بھیجا گیا کہ چاروں طرف دو کوس کے فاصلے سے باورچی اور حلوائی کھانا مٹھائی تیار کیے سڑکوں پر بیٹھے رہیں کہ اس عرصے میں جو مسافر گزرے بھوکا نہ جائے۔ دور دور شادی کا شہرہ پہنچ جائے۔

دو منزل چار منزل بلکہ دس دس بیس بیس دن کا سفر طے کرکے تماش بین بے فکرے سیر دیکھنے کو آئے۔ ساچق کا دن تھا۔ سارے سامان کی تفصیل بیان کرنی ممکن نہیں۔ پھر بھی کچھ چیزوں کا حال لکھا جاتا ہے۔ پچاس ہزار چوگھڑے سونے چاندنی کے بنے۔ سب نُقل اور میوے سے لبالب بھرے، ایک لاکھ خوان۔ پچاس ہزار میں مصری کے کوزے باقی میں میوے اور قند کی جھڑیاں۔ سونے کی مٹکی جو دہی سے بھری تھی اور اس کے گلے میں مچھلیاں ناڑے سے بندھی تھیں۔ آرائش کے بے شمار تخت جن کی گنتی ممکن نہیں۔ آتش بازی کے ٹوکرے قطار در قطار، سرو، جھاڑ، درخت میوہ دار ہزار در ہزار اور اس کے علاوہ اتنا ساز وسامان تھا کہ کسی نے خواب

میں بھی نہ دیکھا ہوگا۔

اس انداز سے ساچق گئی۔ مہندی کی شب ہوئی۔ وزیر نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ نارنول کی ہزار ہا من مہندی منگائی تھی۔ اس مہندی کا کمال یہ تھا کہ جو ایک بار لگا لے ساری زندگی اس کا ہاتھ لال رہے۔ اسے جڑاؤں سینیوں میں سجا کے ان پر مومی اور کافوری شمعیں جلا دی گئی تھیں۔ ملیدے کے خوانوں پر غضب کا حسن و شباب تھا۔ اس جلوس کے دونوں طرف آتش بازی چھوٹتی جاتی تھی۔

برات کی رات کا حال بھی سننے کے قابل ہے۔ دیوان خاص سے دلہن کا مکان پانچ کوس کے فاصلے پر تھا۔ دونوں طرف آدمی کے قد سے دوگنے سوسو بتی والے بلور کے جھاڑ پانچ پانچ گز کے فاصلے پر روشن تھے۔ دس دس گز کے فاصلے پر سونے اور چاندی کے پیچ، شاخے جلتے تھے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر نوبت نقارے بجتے تھے اور رنگین شامیانوں کے تلے ناچ گانا ہوتا تھا۔

آخر دولہا ہاتھی پر سوار ہوا۔ چاروں طرف شادیانے بجنے لگے۔ شہنائیاں بج اٹھیں۔ سواروں کے رسالے جلوس کے ساتھ ساتھ تھے۔ ہزار بارہ سو تخت رواں ساتھ تھے جن پر ناچ ہوتا جاتا تھا۔ برچھے والے، بان دار اور روشن چوکی والے ہمراہ تھے۔ بادشاہ بارہ ہزار ہاتھیوں کے ساتھ بارات کے پیچھے آتا تھا۔ امیر اور وزیر اس کے گرد و پیش تھے۔ انجمن آرا کا بھائی شہ بالا بنا تھا۔

پہر رات رہے برات دلہن کے دروازے پر پہنچی۔ ماما اصیلیں دوڑیں۔ پانی کا طشت ہاتھی کے پاؤں تلے پھینکا۔ ناچ گانے کی محفل جم گئی۔ صبح ہونے کو تھی کہ قاضی کو طلب کیا گیا۔ اس نے نکاح پڑھایا۔ کئی سلطنتوں کے خراج پر مہر بندھا۔ سارے گویے ایک سر میں مبارک باد گانے لگے۔ بادشاہ نے انھیں کئی لاکھ روپے انعام میں دیے۔

دولہا زنانے میں طلب ہوا۔ وہاں رسمیں ہونے لگیں۔ آرسی مصحف کی رسم ادا ہوئی۔ سورۂ اخلاص کھول کے سامنے رکھی۔ ڈومنیاں سہاگ گانے لگیں۔ دلہن کی ہمجولیاں دولہا سے چھیڑ

چھاڑ کرنے لگیں۔ کوئی دلہن کی جوتی دولہا کے کندھے سے چھوا گئی۔ کسی نے دولہا کے جوتے چھپا کے جوتا چھپائی مانگی۔ رخصت کا وقت آیا تو جان عالم نے انجمن آرا کو گود میں اٹھا کے سکھپال میں سوار کیا۔ سب کا دل بھر آیا۔ بادشاہ نے ملک، سلطنت، خزانہ سبھی کچھ جہیز میں دے دیا۔ جان عالم کی خوشیوں کا کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ ادھر دلہن کے گھر میں کہرام تھا۔ ہر ایک کی آنکھ میں آنسو تھے۔

شادی کا جلوس بڑے کروفر سے روانہ ہوا۔ باجوں کا شور آسمان تک پہنچتا تھا۔ سارے راستے دولہا دلہن پر سے سونا چاندی نثار کیا گیا۔ یہ جلوس چوک سے گزر کے دیوان خاص میں داخل ہوا۔ جو رسمیں یہاں کی تھیں ہونے لگیں۔ بکرا ذبح کیا انگوٹھے میں خون لگا دیا۔ پھر کھیر کھلا کے رسموں سے فرصت پائی۔ رات کو شہزادے نے شہزادی کو ساری کہانی سنائی کہ کس طرح توتے کی زبان سے انجمن آرا کے حسن کا بیان سنا، کس طرح بے دیکھے اس پر فدا ہوا، وزیرزادے اور توتے کو لے کے سفر پر روانہ ہوا۔ ہرن کو دیکھ کے اس کا پیچھا کیا تو توتے اور وزیرزادے سے بچھڑا۔ طلسم میں پھنسا، مہینوں جادوگرنی کی قید میں رہا، پھر کس کس طرح قید سے رہائی پائی، ملکہ مہر نگار سے ملاقات ہوئی۔ شہزادی نے جادوگرنی پر تو افسوس کیا مگر مہر نگار کی ملاقات کی بات سنی تو روکھی صورت بنائی، تیوری چڑھائی۔ پھر شہزادے نے جادوگر سے لڑنے اور انجمن آرا کو اس سے نجات دلانے کا حال تفصیل سے سنایا۔

صبح کو چوتھی کی رسم کے بعد بادشاہ نے شہزادے اور شہزادی کو ایک خوب صورت باغ رہنے کو عطا کیا۔ باغ کیا تھا پورا راحت کدہ تھا۔ کون سا عیش و آرام تھا جو اس باغ میں موجود نہ تھا۔ دونوں باغ میں رہنے لگے۔

جان عالم کو ادھر جتنے عیش تھے ملکہ مہر نگار کو ادھر اتنی ہی تکلیف تھی۔ ہر وقت شہزادے کو یاد کرتی تھی اور اس سے ملاقات کی دعائیں مانگتی تھی۔ جس جگہ شہزادے سے ملاقات ہوئی تھی اکثر وہاں جاتی اور پہروں سر جھکائے بیٹھی رہتی، اس کی سہیلیاں اس کی حالت پر ترس کھاتیں اور خدا سے دعا کرتی تھیں کہ اے اللہ اس مصیبت کی ماری کی بگڑی بنا دے۔

کہتے ہیں محبت سچی ہو تو اس میں اثر ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ ایسا ہوا کہ شہزادے کا وہاں جی

گھبرانے لگا، اپنا وطن یاد آنے لگا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ ملکہ مہر نگار کی وفائیں یاد آتیں اور پہروں جان عالم کو ستاتیں۔ ایک دن اچانک خیال آیا کہ خدا جانے مہر نگار کا کیا حال ہوا ہوگا۔ کیا خبر جیتی بھی ہے یا ہمارے فراق میں مرگئی۔ اس خیال کا آنا تھا کہ شہزادے کا دل بری طرح گھبرانے لگا۔ انجمن آرا سے بولا۔ ''اب وطن اور دوستوں وعزیزوں کی یاد بہت ستاتی ہے۔ آج بادشاہ سلامت سے وطن جانے کی اجازت چاہوں گا۔'' یہ سن کے انجمن آرا کا دل دھک سے رہ گیا۔ ماں باپ اور وطن سے چھوٹنے کا خیال ستانے لگا مگر شوہر کی فرماں بردار تھی اور اس نے جو تکلیفیں اٹھائی تھیں ان کی قدر کرتی تھی۔ بولی۔ ''میرا بھی جی چاہتا ہے کہ یہاں سے قدم نکالوں اور کوہ و بیابان کی سیر کروں۔''

صبح کو شہزادہ روز کی طرح دربار میں حاضر ہوا اور دل کی بات زبان پر لایا۔ بادشاہ سے اپنے وطن جانے کی اجازت مانگی۔ بادشاہ نے رخصت کی بات سنی تو بہت رنجیدہ ہوا۔ بولا۔ ''اے عزیز! یہ رخصت کی بات تو نے کیا کہی۔ میرے دل میں ایسی بات سننے کی طاقت کہاں۔ سیر وشکار کی خواہش ہے تو یہاں کیا کمی ہے۔ ہمارا علاقہ تو سیر وشکار اور آب و ہوا کے لیے دور دور مشہور ہے۔ چاروں طرف کے لوگ سیر کو آتے ہیں۔ خزانہ موجود ہے، فوج حاضر ہے۔ اطمینان سے جدھر جی چاہے جاؤ اور سیر کر کے جی بہلا آؤ۔''

جان عالم نے سر جھکا کے اور بہت ادب سے عرض کیا۔ ''اے لائق احترام شہریار! یہ ناچیز مشکل سے برس دن یہاں رہا۔ اتنی کم مدت میں آپ کو مجھ سے وہ محبت ہوگئی کہ ملک، مال بلکہ جان سے زیادہ مجھے عزیز رکھتے ہیں۔ ذرا سوچیے وہ ماں باپ جنھوں نے بڑی محنتوں سے مجھے پالا، دن کو دن رات کو رات نہ جانا۔ میرے لیے کتنی منتیں مانیں، انھوں نے اتنے دنوں سے مجھے دیکھا تک نہیں بلکہ یہ بھی نہیں جانتے کہ اب تک جیتا ہوں یا مرگیا۔ میری جدائی سے ان پر کتنے صدمے گزرتے ہوں گے۔ ان بے سہاروں کا خیال کیجیے اور مجھے وطن جانے کی اجازت دیجیے۔ زندگی ہے تو پھر کبھی حاضر ہوں گا۔''

بادشاہ سمجھ گیا کہ یہ اب کسی طرح رکنے والا نہیں۔ آنکھوں میں آنسو بھر کے بولا۔

’’خیر بابا جیسی خدا کی مرضی مگر سفر کی تیاری کو کم سے کم چالیس دن چاہئیں۔‘‘ دن کے دن یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ شہزادے شہزادی کا سفر قریب ہے۔

7

شہزادہ شہزادی کی روانگی

جان عالم اور انجمن آرا کے سفر کی تیاریاں زور وشور سے ہوتی رہیں یہاں تک کہ رخصت کا وقت قریب آ پہنچا۔ اگلی صبح کو دونوں روانہ ہونے والے تھے۔ بادشاہ کا غم سے برا حال تھا۔ شام کو بادشاہ نے اپنے امیروں وزیروں کو ساتھ لیا اور شہر سے دو کوس دور چلا گیا۔ یہاں سڑک کے قریب ایک اونچا سا پہاڑ تھا اس پر جا بیٹھا۔ وزیر سے کہا۔ ''تم شہزادے کو رخصت کرو۔ ہم یہاں سے جلوس، سواری اور سامان سفر دیکھ لیں گے۔'' اہل شہر نے یہ سنا تو کیا عورت، کیا مرد، کیا جوان کیا بوڑھا اور کیا بچہ، سب کے سب دوسری پہاڑی پر جمع ہو گئے۔

جھٹپٹے کے وقت جان عالم نے سواری طلب کی۔ ہرکاروں نے بادشاہ کو خبر پہنچائی۔ وہ سڑک کی طرف متوجہ ہوا۔ ذرا دیر میں روشنی نظر آئی۔ سجی سجائی پلٹنیں گزریں، توپ خانہ گزرا۔ اس کے بعد سواری کے بارہ ہزار ہاتھی تھے جن پر ہودج اور عماریاں کسی تھیں۔ اس کے پیچھے ہزار بارہ سو جنگی ہاتھی تھے۔ ان کے سونڈوں میں بان پٹے چڑھے تھے، سونے چاندی کی زنجیریں کھنک رہی تھیں۔ ان کی جھولیں زربفت کی تھیں اور ہیکلیں کلابتوں کی۔ فیل بان کمخواب کی وردیاں پہنے، جوڑے دار پگڑیاں باندھے، کمر میں کٹار کسے اور ہاتھوں میں جڑاؤ گج باگ لیے ہاتھیوں پر بیٹھے تھے۔

ہاتھیوں کے پیچھے کئی لاکھ سواروں کے پرے تھے۔ ہر جوان کی عمر بیس اکیس برس کی

تھی۔ ہر ایک کے بدن پر زرہ بکتر جوشن تھی، دونوں بازؤں پر جوشن چڑھے تھے، ہاتھوں میں فولادی دستانے اور سروں پر خود یعنی لوہے کی ٹوپیاں تھیں۔ مطلب یہ کہ سارے سوار لوہے سے ڈھکے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں بھاری تلواریں اور خنجر تھے۔ تیغے، قرولی، کٹاریں کمروں میں کسی ہوئی تھیں اور ہر ایک کی پیٹھ پر ڈھال سجی تھی۔ ہر سوار جوانی کے نشے میں مست اور اپنی طاقت پر مغرور تھا۔

سانڈنی سوار الگ اپنی سج دھج دکھا رہے تھے۔ ان کے جسموں پر زرد لباس اور سروں پر سرخ پگڑیاں تھیں، ٹانگوں میں آبی بانات کے پاجامے تھے۔ سانڈنی سوار ہتھیار لگائے، ہاتھوں میں مہار اٹھائے اکڑتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ سانڈنیوں کی چھم چھم سے عجب سماں نظر آتا تھا۔

اب سواری کے خاصے نظر آئے، عربی، ترکی، تازی، عراقی، یمنی گھوڑے قطار اندر قطار تھے۔ ہر گھوڑا نرالا۔ ایک سے ایک البیلا۔ کسی پر جڑاؤ زین بندھا۔ کسی پر چار جامہ کسا۔ ساتھ ساتھ نوبت نشان۔ غرض جلوس کی عجیب شان تھی۔ میر شکار بھی شکار کا سامان لیے ساتھ تھا۔ باز، بحری، باشے، شاہین، عقاب اور طرح طرح کے شکاری پرندے، شکاری کتے، چیتے سب میر شکار کے ساتھ تھے۔ سقے کھاروے کی لنگیاں پہنے، شانوں پر بادلے کی جھنڈیاں لیے، مشکوں میں بید مشک بھرے ہزارے کے فوارے سے چھڑکاؤ کرتے جاتے تھے۔''

بادلہ پوش غلام ہاتھوں میں ہیرے کے کپڑے پہنے سونے چاندنی کی انگیٹھیوں میں خوشبوئیں جلاتے تھے اور سارا جنگل خوشبو میں بستا جاتا تھا۔ ان کے برابر دو ہزار کم عمر لڑکے بلور کی صاف شفاف لالٹینیں لیے، مومی اور کافوری شمعیں روشن کیے ساتھ تھے۔ عجیب سماں تھا کہ سورج نے مشرق کی کھڑکی سے سر نکالا۔ شاید اسے ابھی اس نرالی سج دھج کا جلوس دیکھنے کا اشتیاق ہوا ہو۔ غرض یہ کہ صبح نمودار ہوئی۔ پھولوں کے کھلنے سے سارا علاقہ معطر ہو گیا۔

اب خاص برداروں کا غول نظر آیا۔ کم خواب کی مرزائیاں، گجراتی انگرکھے، مشروع کے گھٹنے، پاؤں میں دلی کی ناگوری جوتیاں، سر پر گلنار پگڑیاں، لڑکیوں کی چھب الگ دیکھنے کے

لائق تھی، زربفت کے لہنگے، مسالہ ٹکے ململ کے دو پٹے، باریک بنت گوکھرو کی کرتیاں، ہاتھوں میں جڑاؤ کڑے، پیروں میں سونے کے کڑے، کانوں میں بالیاں، گرداگر بیچ میں شہزادہ جان عالم، برابر میں انجمن آرا کا سکھپال جسے خوب صورت کہاریاں اٹھائے ہوئے تھیں۔ ترکنیں حفاظت کے لیے ساتھ تھیں۔ خواجہ سرا انتظام میں مشغول تھے۔

جب یہ شان دار جلوس نزدیک پہنچا تو بادشاہ نے بڑی حسرت سے دیکھا اور سرد آہ بھری۔ بے قراری بڑھ گئی۔ جان عالم گھوڑے سے کود کر تسلیمات بجالایا۔ بادشاہ کا اس وقت دل پر قابو نہ تھا۔ اس نے شہزادہ کو قسم دے کر کہا۔ ''اس وقت ہمارے پاس نہ آؤ۔ جاؤ تمھیں خدا کو سونپا۔''

مجبوراً شہزادہ مجرا کر کے گھوڑے پر سوار ہوا۔ جب جان عالم نے گھوڑا بڑھایا، ساری خلقت کا جی بھر آیا۔ بادشاہ کی بے قراری، شہزادی شہزادے کی گریہ وزاری کسی سے دیکھی نہ جاتی تھی۔ سب زار و قطار روتے تھے، اپنا جی کھوتے تھے۔ سب کے ہونٹوں پر فریاد تھی کہ۔ ''آج شہر کی رونق رخصت ہوئی۔ ان دونوں کی جدائی کیسے برداشت ہوگی۔ شہر ویران ہو جائے گا۔''

کہتے ہیں سیکڑوں مرد عورت بغیر کچھ کہے ساتھ ہو گئے۔ اپنی مرضی سے اپنا گھر چھوڑ دیا۔ اس قافلے کے پیچھے شہزادی کی سہیلیوں، امیرزادیوں کی پالکیاں، نالکیاں اور چنڈول تھے۔ پیش خدمتیں میانوں میں سوار تھیں۔ آتوں اور مغلانیاں رتھوں میں بیٹھی چلی جاتی تھیں۔ لونڈیاں، باندیاں، انا چھوچھو، دوبرجے اور سائبان میں سوار تھیں۔ خزانے اور سامان کے لیے چھکڑے اور اونٹ گاڑیاں تھیں۔

بتانے والے بتاتے ہیں کہ امام ضامن کے روپے اور اشرفیاں اتنی آئیں کہ تمام راستے سید مسافروں نے پائیں۔ کھجور کلچوں کا یہ حال ہوا کہ راتب کے سوا ہاتھوں کو کلچے ملے۔ کھجوریں جو بٹ نہ سکیں، راستے میں پھینک دیں۔ وہ اگیں اور ان درختوں سے جنگل ہو گیا۔

ہاں تو جب قافلہ سدھار گیا تو بادشاہ بدحال اور بدحواس محل کو لوٹا۔ بسا بسایا شہر لٹا اجڑا اور ویران نظر آیا۔ بازار میں چراغ گل پائے۔ جس طرف دیکھا تھکے ماندے پھر کر پڑے تھے۔

بازار میں تختے لگے ٹٹر جڑے تھے۔ دکانیں بند تھیں۔ ساری رعایا اداس تھی۔ جو جہاں پڑا تھا شہزادے کی رخصت کا ذکر کر رہا تھا۔ کوئی سوتا تھا، کوئی چپکا پڑا روتا تھا۔ بستی سنسان، بازار میں سناٹا، بادشاہ کو دونا قلق ہوا۔ محل سرا میں پہنچا تو وہاں بھی سب کو غم گیں پایا۔ انجمن آرا کی ماں کی نظروں میں دنیا اندھیر ہوگئی تھی۔ نہ ہلتی جلتی تھی نہ بولتی چالتی تھی۔ قسمت پر اختیار نہ تھا۔ ہاں آنکھوں پر اپنا زور چلتا تھا۔ روئے جاتی تھی۔ بادشاہ نے سمجھایا، ہاتھ منہ دھلوایا اور خوشامدیں کر کے کچھ کھلایا۔

شہزادہ شہزادی کا قافلہ کوچ پر کوچ کیے چلا جاتا تھا۔ قافلہ کیا تھا پورا ایک شہر تھا۔ جہاں پڑاؤ ڈال دیتے پوری نگری آباد ہو جاتی، دکانیں سج جاتیں، بازار لگ جاتے۔ دنیا کی کوئی چیز نہ تھی جو وہاں موجود نہ ہو۔

مہرنگار سے دوبارہ ملاقات

جب یہ قافلہ ملکہ مہرنگار کے باغ کے پاس پہنچا تو خبرداروں نے ملکہ کو خبر پہنچائی کہ لو مبارک ہو شہزادہ پھر سے تشریف لایا۔ شہزادے کی جدائی میں اس کا دل اتنا کمزور ہو گیا تھا کہ یہ خوش خبری نہ سہ سکی، سنتے ہی غش کھا کے گری۔ ہوش آیا تو بولی۔ ''لوگو! یہ کیا کہتے ہو۔ کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ سویا ہوا مقدر یوں جاگ اٹھے؟ تم سب میرا دل بہلانے کو ایسی باتیں کرتے ہو۔''

اتنے میں مہرنگار کی خواص دل آرام بارہ دری سے نیچے اتری اور کہنے لگی۔ '' خدا جانے یہ لشکر کہاں سے آ کے یہاں اترا ہے۔'' ملکہ نے سن کے ٹھنڈی سانس بھری اور سیر کے بہانے خواصوں کے کندھوں پہ ہاتھ رکھ کے کوٹھے پر چڑھی۔ دیکھا کہ سچ مچ ایک بھاری لشکر آ کے اترا ہے۔ دور تک شاہی خیمے گڑے ہیں اور فوجیں پڑی ہیں۔ سوار پیادے اِدھر اُدھر ٹہل رہے ہیں۔

شہزادی کی نظریں اِدھر اُدھر سیر کرتی رہیں۔ اچانک شہزادہ جان عالم پر نظر پڑی۔ وہ ایک شان دار گھوڑے پر سوار تھا۔ دونوں طرف کئی کئی سوار تھے۔ مہرنگار نے پہلے اسے تھکا ہارا، مسافر کا مارا دیکھا تھا۔ آج اس شان سے نظر آیا تو اور بھی حسین لگا۔ ملکہ کا بدن کیا کپکپانے لگا۔ قریب تھا کہ غش کھا کے گر پڑے مگر سنبھل گئی اور چہرے کی زردی سرخی میں بدل گئی۔

شہزادہ گھوڑے سے اتر کے سیدھا ملکہ کے والد کے پاس پہنچا اور سلام بجالایا۔ اس

بزرگ نے دعائیں دیں اور گلے سے لگا کے بولا۔ ''پاک پروردگار کا کرم ہے کہ اس نے تمھیں خوش وخرم اور خیریت کے ساتھ دکھایا۔'' اس کے بعد انجمن آرا کی سواری آئی۔ اس نے بھی تسلیم کی۔ اس بزرگ نے جواب میں کہا۔ ''شہزادی، جیتی رہو، خدا تمھاری عمر میں برکت دے۔ تم نے فقیر کے حال پر رحم کیا۔'' اس نے عرض کیا۔ ''کنیز مدت سے آپ کی تعریف سنتی تھی۔ دل میں آپ کے قدم چومنے کی خواہش تھی۔ آج شہزادے کی بدولت حاضری نصیب ہوئی۔''

شہزادی دو گھڑی اس بزرگ کی خدمت میں بیٹھی، پھر عرض کیا کہ ''ملکہ سے ملاقات کا بہت اشتیاق ہے اگر اجازت ہو تو ان سے ملاقات کروں۔'' انھوں نے کہا۔ ''شوق سے، تمھارا گھر ہے، اس میں اجازت کی کیا ضرورت ہے۔''

جان عالم تو اجازت لے کر اپنے خیمے میں آیا، انجمن آرا ملکہ مہر نگار سے ملنے چلی گئی۔ وہاں پہلے سے اس کے آنے کی اطلاع ہو چکی تھی اور ذرا دیر میں اجڑا ہوا مکان سج بن کے استقبال کے لیے تیار ہو چکا تھا۔

انجمن آرا کی سواری اتری تو ملکہ استقبال کو بڑھی اور جھک کے آداب بجالائی۔ انجمن آرا نے گلے لگایا۔ ملکہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ بولی۔ ''تم نے مجھے شرمندہ کیا۔ میں فقیر کی بیٹی تم شہزادی، تمھارے قدموں نے اس مکان کی عزت بڑھائی ورنہ میں اس قابل کہاں تھی کہ تم میری مہمان ہوتیں۔''

انجمن آرا بولی۔ ''ملکہ، تم بھی خوب باتیں کرتی ہو۔ ہمارا تمھارا تو برابری کا رشتہ ہے۔ بلکہ ایک معاملے میں تم ہم سے بڑھ کے ہو۔ شہزادے سے تمھاری ملاقات ہم سے پہلے ہوئی۔ ہم تو دوسرے نمبر پر ہیں۔'' غرض دونوں میں خوب ہنسی مذاق ہوتا رہا۔ نوک جھونک ہوتی رہی۔ ساری رات باتوں میں گزر گئی۔ دن نکلا تو انجمن آرا جان عالم کے پاس آئی اور دیر تک مہر نگار کی عادتوں کی تعریف کرتی رہی۔

دوسرے دن جان عالم نے ملکہ کے باپ سے کہا کہ۔ ''میں اپنا وعدہ پورا کرنے کو حاضر ہوں۔'' اس نے جواب دیا کہ ''یہ تمھارا کرم ہے ورنہ ہم اس قابل کہاں ہیں۔ تمھیں اپنی

بات کا پاس ہے کہ ہم پر یہ احسان کرتے ہو۔ بسم اللہ۔ ملکہ کو اپنی کنیزوں میں شامل کرلو۔‘‘
بہر حال ملکہ مہر نگار کا جان عالم سے نکاح ہو گیا۔ انجمن آرا اور مہر نگار میں محبت اتنی بڑھی کہ شہزادے کو بھول گئیں۔ شہزادہ بھی دونوں کو برابر چاہتا تھا اور دونوں کا خیال رکھتا تھا۔

9

وزیرزادے کی نمک حرامی

کچھ دن شہزادہ وہاں رہا۔ آخر وطن اور اہل وطن یاد آئے۔ دونوں بیویوں سے کہا کہ بہت دن یہاں رہ لیے۔ اب کوچ کرنا چاہیے۔ وہ دونوں تو اپنے میاں کی خوشی میں خوش تھیں۔ فوراً راضی ہوگئیں۔ پھر شہزادہ اپنے خسر کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سے اجازت مانگی۔ وہ بزرگ جانتا تھا کہ شہزادہ ایک مدت سے اپنے ماں باپ اور عزیزوں سے دور ہے، وہ اس کی جدائی میں تڑپتے ہوں گے۔ اس لیے اس نے روکنا مناسب نہ سمجھا۔

رخصت کی تیاری ہوئی۔ مہر نگار کا باپ وتخت تاج چھوڑ فقیر بن جنگل میں آ بیٹھا تھا اور یاد خدا میں زندگی گزارتا تھا لیکن رخصت کے وقت اس نے بیٹی کو اتنا سامان اور نقد روپیہ دیا کہ شہزادہ انجمن آرا کا جہیز بھول گیا۔ رخصت کے وقت وہ نیک بزرگ جان عالم سے بولا۔'' مجھ غریب کے پاس کچھ نہ تھا جو تیری خدمت میں پیش کر کے اپنا جی خوش کرتا مگر ایک پتے کی بات بتاتا ہوں۔ اگر دھیان میں رکھو گے تو یہ قارون کے خزانے سے زیادہ کام آئے گی۔'' پھر الگ لے جا کے شہزادہ کو سمجھایا اور بار بار تاکید کی کہ یہ بات اپنے سگے بھائی کو نہ بتانا۔ اگر بتاؤ گے تو پچھتاؤ گے اور حضرت یوسفؑ سے بھی زیادہ دکھ اٹھاؤ گے۔ ہر طرف نیک کم اور برے زیادہ ہیں۔ ہر طرف شیطان نے اپنے پنجے گاڑ رکھے ہیں۔ کسی کو اپنا راز کہنا مصیبت کو دعوت دینا ہے۔ چپ رہنے میں بہتری ہے۔ حضرت آدمؑ کے زمانے سے یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ بھائی کا

بھائی دشمن ہے۔

بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی
بیچ ہی ڈالیں جو یوسفؑ سا برادر ہووے''

پھر وہ بزرگ انجمن آرا کے پاس آیا اور بولا۔''شہزادی! اپنی مہربانی سے اس فقیر زادی کو ساتھ لیے جاتی ہو تو اس کا خیال رکھنا۔ اس پر ہمیشہ کرم کی نظر رکھنا۔ یہ خدمت گزاری میں کسر نہ اٹھا رکھے گی۔ اسے تم کو سونپا اور تمھیں اس کو سونپا جس سے بڑا نگہبان کوئی نہیں لو خدا حافظ۔''

دنیا میں ایسے ایسے اتفاقات ہو جاتے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ وزیرزادہ جو شہزادے کے ساتھ وطن سے نکلا تھا اور ہرن کے پیچھے گھوڑا ڈال کے بچھڑ گیا وہ مدتوں حیران و پریشان گھومتا رہا۔ آخر اسی دن پھرتا پھراتا ادھر آنکلا۔ اس نے جو یہ لاؤ لشکر دیکھا تو کسی سے پوچھا کہ یہ قافلہ کس کا ہے اور کہاں کی تیاری ہے۔

لوگوں نے وزیرزادے کو جان عالم کا سارا قصہ سنایا۔ یہ خوش ہوا۔ جان میں جان آئی۔ پھر پوچھا کہ شہزادہ کہاں ہے تو معلوم ہوا کہ وہ دانا بزرگ کچھ سمجھانے اور نصیحت کرنے الگ لے گیا ہے۔

جب جان عالم بزرگ سے رخصت ہو کے سوار ہونے لگا تو یہ دوڑا اور آداب بجالایا۔ شہزادے نے پہچانا اور گھوڑے سے کود کے بغل گیر ہو گیا۔ اسی دم اسے پوشاک پہنائی اور اپنے ہم راہ سوار کیا۔ راستے میں شہزادہ اپنے دوست سے سفر کا حال پوچھتا رہا۔ وہ بتاتا رہا۔ جب شہزادہ خیمے میں داخل ہوا تو وزیرزادے کو بھی وہیں طلب کیا۔ اس سے انجمن آرا اور ملکہ کو نذر دلوائی اور بولا۔''یہ وہی شخص ہے جس کی جدائی سینے میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی۔ دیکھو جب اچھے دن آتے ہیں، بے تلاش بچھڑے مل جاتے ہیں۔ زمانے کی گردش نے ہمیں اپنے دوست سے جدا کر دیا تھا آخر ملا بھی دیا۔''

اب وزیرزادے کے دل کا حال سنو۔ اس نے انجمن آرا کے حسن و جمال کو دیکھا تو

دیوانہ ہوگیا۔ ہوش وحواس جاتے رہے، عقل کھو بیٹھا، دل میں دغا آئی، نمک حرامی پر کمر باندھی اور انجمن آرا کو حاصل کرنے کی تدبیریں سوچنے لگا۔

ذرا دیر یہ صحبت رہی۔ پھر سب اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔ وزیرزادے کے لیے ایک شاندار خیمہ کسا گیا۔ دونوں شہزادیوں کے ساتھ بہت سی حسین کنیزیں تھیں۔ وہ سب وزیرزادے کو دکھائی گئیں کہ ان میں سے جو پسند ہو اس سے شادی کرلے۔ وہ نمک حرام تو اور ہی خیال میں تھا۔ بناوٹ سے بولا۔ ''میری یہ کہاں مجال کہ آپ کی کسی کنیز سے شادی کرنے کا ارادہ کروں۔'' جان عالم اس جواب سے بہت خوش ہوا کہ وزیرزادہ ہمارا کتنا ادب کرتا ہے۔

شہزادے اور وزیرزادے میں ہر وقت ہر طرح کی باتیں ہوتی تھیں۔ اس سے کوئی بھید نہ تھا مگر جب کبھی وزیرزادہ پوچھتا کہ ملکہ کے باپ نے الگ لے جا کے کیا نصیحت کی تھی وہ ٹال جاتا۔

ایک دن انجمن آرا اور مہرنگار میں آپس میں صلاح ہوئی اور پھر دونوں نے شہزادے سے عرض کیا کہ۔ ''یہ بات کہاں تک مناسب ہے کہ ایک غیر شخص کو جو جوان بھی ہے اسے ہر وقت اپنی محفلوں میں شریک رکھا جائے۔ اس طرح حکومت کا رعب ختم ہونے کا بھی اندیشہ ہے۔ پھر یہ کہ شیطان کو کبھی دور نہ سمجھنا چاہیے اور غیر تو کیا اپنے پر بھی اعتماد نہ کرنا چاہیے۔''

جان عالم نے غصہ سے کہا۔ ''ایسی بات پھر کبھی زبان پر نہ لانا۔ اس نے تمھاری کسی کنیز تک کو قبول کیا نہیں تمھیں کیا بری نظر سے دیکھے گا۔ پھر میں ایسا بے وقوف بھی نہیں ہوں کہ بے سوچے سمجھے کسی پر بھروسہ کرلوں۔''

ملکہ سن کے ہنسی اور انجمن آرا سے مخاطب ہو کے بولی۔ ''خدا کے لیے ذرا تم ہی انصاف کرو، شہزادے کی بے وقوفی میں کسے شک ہوسکتا ہے۔ اگر یہ عقل کے دشمن نہ ہوتے تو بے سوچے سمجھے حوض میں کود کے جادوگرنی کی قید میں کیوں پھنستے۔ تم چپ کیوں ہوگئے، ذرا بولو۔ سچ کہو، شرماؤ مت تمھارے جی میں کیا آئی کہ جھپ سے حوض میں غوطہ ماردیا۔ یہ نہ سوچا کہ کہاں شہزادی انجمن آرا کہاں جنگل کا حوض۔ انجمن آرا نہ ہوئی جل پری یا پانی کی مچھلی ہوگئی۔''

جان عالم کھسیانہ ہو کے بولا۔ ''کیا تمسخراپن کرتی ہو۔ کہاں کی بات کہاں جوڑتی ہو۔ محبت میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ انسان کی عقل ماری جاتی ہے۔ مجھے تو کہتی ہو ذرا اپنی حماقتوں کا خیال کرو۔''

ملکہ نے کہا۔ ''میری کہانی تو تم اپنی شرمندگی دور کرنے کو سناتے ہو۔ میرا کیا ہے۔ میں تو عورت ذات ہوں۔ ذرا سی نادانی ہو گئی تو کیا ہوا۔ خیر شکر کی بات یہ ہے کہ ہم دونوں کی عقل ایک سی ہی ہے۔''

اس طرح یہ بات ہنسی میں اڑ گئی مگر وہ مکار بدذات موقعے کے انتظار میں رہا۔ ایک دن جنگل میں لشکر نے خیمے ڈالے۔ موسم اچھا تھا۔ چاروں طرف ہریالی تھی۔ ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو مست کیے دے رہی تھی۔ شہزادے کے دل میں لہر آئی۔ وزیر زادے کا ہاتھ پکڑ کے اٹھا اور چشمے کے کنارے جا بیٹھا۔ شراب کا دور چلنے لگا۔ شراب کا بھی عجب حال ہے پینے والے کو اپنے دل و دماغ پر قابو نہیں رہتا۔ جان عالم کو نشہ چڑھا تو وزیر زادے سے دوستی اور محبت کی باتیں کرنے لگا۔ وہ کم بخت تو پہلے ہی موقع کی تلاش میں تھا۔ رونے لگا۔

شہزادے نے ہنس کے کہا۔ ''خیر تو ہے۔'' وہ نمک حرام بولا۔ ''میں نے جاں نثاری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ ہمیشہ شہزادے پر جان و مال قربان کرنے کو حاضر رہا۔ آپ کی خاطر گھر بار چھوڑا اور جنگل کی خاک چھانی۔ انعام یہ ملا کہ آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں۔ ذرا سی بات اس خاکسار سے راز میں رکھتے ہیں۔''

جان عالم نے نشے کی ترنگ میں یہ نہ سوچا کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ اس کے رونے سے بے چین ہو گیا۔ بولا۔ ''اگر یہ راز جاننا ہی چاہتا ہے تو سن۔ مجھے ملکہ کے باپ نے یہ ترکیب بتائی ہے کہ جس بدن میں چاہوں اپنی روح ڈال دوں۔''

اس نے پوچھا۔ ''یہ کس طرح؟''

شہزادے نے پوری ترکیب بتا دی۔ جب وہ سیکھ چکا تو بولا۔ '' آزمائے بغیر مجھے

یقین نہیں کہ ایسا ہوسکتا ہے۔''

شہزادہ اٹھ کے جنگل کی طرف چلا۔ ذرا دور جا کے دیکھا کہ ایک بندر مرا پڑا ہے۔ کہا۔'' دیکھ میں اس مردہ بندر کے جسم میں داخل ہوتا ہوں۔'' یہ کہہ کے شہزادہ زمین پر لیٹ گیا۔ بندر اٹھ کھڑا ہوا۔ وزیرزادہ ساری ترکیب سیکھ ہی چکا تھا۔ فوراً لیٹ گیا اور اپنی روح شہزادے کے بے جان بدن میں ڈال دی۔ پھر کمر سے تلوار نکالی اور اپنا جسم ٹکڑے ٹکڑے کر کے دریا میں پھینک دیا۔

شہزادے کا نشہ ہرن ہوگیا مگر اب وہ شہزادہ کہاں تھا، بندر تھا۔ اپنے کیے پر بہت پچھتایا مگر اب کیا ہوسکتا تھا۔ اپنے پیروں میں آپ کلہاڑی مارلی تھی۔ وزیرزادہ بندر کے پیچھے دوڑا۔ وہ بے چارہ بھاگ کر درختوں کے پتوں میں جا چھپا۔ وزیرزادے نے خود اپنے کپڑوں کو تارتار کیا۔ ان پر خون چھڑکا اور روتا پیٹتا خیمے میں پہنچا۔ وہاں سب کو یہ کہانی سنائی کہ۔'' اس وقت بڑا غضب ہوا۔ میں وزیرزادے کے ساتھ سیر کرتا تھا۔ اچانک جنگل سے شیر نکلا اور اسے اٹھا کے لے چلا۔ میں نے تلوار سے اس پر حملہ کیا مگر اس بے چارے کو کسی طرح شیر کے پنجے سے چھڑا نہ سکا۔''

سب نے یہ سن کے افسوس کیا۔ ملکہ نے بھی سمجھایا کہ قسمت کے آگے کس کا بس چلا ہے۔ ہونی تو ہو کے ہی رہتی ہے۔

ذرا دیر بعد ملکہ انجمن آرا کے خیمے میں آئی۔ دیر تک وزیرزادے کی باتیں ہوتی رہیں۔ ملکہ تھی بہت ذہین اور بات کو تاڑنے والی۔ کہنے لگی۔'' خدا خیر کرے۔ آج بہت برے شگون ہوئے تھے۔ صبح نماز کے وقت ایک ڈراؤنا خواب دیکھا تھا۔ ہرنی میرا راستہ کاٹ گئی تھی اور آج میری آنکھ بھی پھڑک رہی تھی۔ جب میں خیمے میں پہنچی تو کسی نے چھینک بھی دیا تھا۔ انجمن آرا، تم عقل کی پتلی ہو، یہ بتاؤ کہ یہ میرا وہم ہے یا آج شہزادے کی حرکتیں پہلے سے مختلف ہیں۔''

انجمن آرا نے جواب دیا۔'' ملکہ، تم تو جانتی ہو شہزادے کو وزیرزادے سے بہت محبت تھی۔ رنج بری بلا ہے۔ آدمی بدحواس ہوجاتا ہے۔''

شہزادے کا دستور یہ تھا کہ ایک شام مہر نگار کے خیمے میں جاتا اور صبح تک وہیں رہتا۔ دوسری شام کو انجمن آرا کے خیمے میں اور رات وہیں گزار دیتا۔ اس حساب سے وہ شام ملکہ مہر نگار کے خیمے میں جانے کی تھی لیکن اس کی توجہ انجمن آرا کی طرف تھی۔ اس لیے اس کے خیمے میں چلا گیا۔ مہر نگار نے کافی دیر انتظار کیا۔ پھر انجمن آرا کے خیمے میں پہنچی۔ شہزادہ وہاں موجود تھا۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ملکہ نے پوچھا۔ ''آج کہاں آرام کرنے کا ارادہ ہے؟'' اس نے جواب دیا۔ ''جہاں تم کہو۔'' ملکہ تاڑ گئی کہ یہ شہزادہ نہیں۔ اس سے کہا تم یہیں آرام کرو۔'' اور انجمن آرا کا ہاتھ پکڑ کے اپنے خیمے میں لے آئی۔ وہاں پہنچ کے بہت روئی پیٹی کہ۔ ''آج قسمت الٹ گئی۔ شہزادہ ہم سے بچھڑ گیا۔''

انجمن آرا نے کہا۔ ''صاف بتاؤ کیا بات ہے۔'' ملکہ نے کہا۔ ''یہ شہزادہ ہرگز نہیں ہے۔'' انجمن آرا نے بھی کہا کہ۔ ''اس کی بہت سی باتیں بدلی ہوئی نظر آتی ہیں۔'' ملکہ نے کہا۔ ''خیر اب جو ہوا سو ہوا۔ آج کی رات تم یہیں سو رہو۔'' ''جشنوں اور ترکنوں کو حکم ہوا کہ ہم سوتے ہیں۔ تم مسلح ہو کر خیمے کے دروازے پر پہرہ دو اور شہزادہ تو کیا فرشتہ ادھر آئے تو اندر داخل نہ ہو سکے۔''

نقلی شہزادے نے جو یہ سنا تو ڈر کے انجمن آرا کے خیمے سے بھاگا اور کسی دوسرے خیمے میں جا لیٹا۔ دونوں کو اب تو یقین ہو گیا کہ یہ اصلی شہزادہ نہیں۔ اگر شہزادہ ہوتا تو بے تکلف یہاں چلا آتا اور ہماری ناخوشی کا سبب پوچھتا لیکن انجمن آرا کو یہ خیال ہوتا تھا کہ صورت تو بالکل وہی ہے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شہزادہ بدل گیا ہو۔

ملکہ نے اب اسے بتایا کہ۔ ''میرے باپ نے رخصت کے وقت شہزادے کو الگ لے جا کے کچھ سمجھایا تھا۔ دراصل اس نے یہ ترکیب بتائی تھی کہ جب چاہو اپنی جان دوسرے جسم میں منتقل کر دو۔'' پھر ملکہ نے یہ بھی کہا کہ۔ ''مجھے پہلے دن سے وزیرزادے پر شک تھا اور میں اس کے سامنے آنا نہ چاہتی تھی۔ شہزادہ نادان تھا میرا کہا نہ مانا۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ شہزادے نے اس نمک حرام کو جسم بدلنے کی ترکیب بتا دی ہے۔ اسی سے نقصان اٹھایا۔''

ساری رات دونوں سو نہ سکیں۔ یہی باتیں کرتی رہیں۔ آخر دن نکل آیا۔ قافلے نے

کوچ کیا۔خبرداروں نے اس بنے ہوئے شہزادے سے عرض کیا کہ۔''یہاں سے پانچ کوس کے فاصلے پر ایک شہر ہے۔حاکم وہاں کا غضنفر شاہ زرہ پوش ہے۔'' حکم ہوا کہ شہر کے نزدیک پہنچ کے خیمے لگائے جائیں۔قافلہ نزدیک پہنچا تو حکم کی تعمیل ہوئی۔شہزادیاں ایک خیمے میں اتریں۔یہ بھی وہاں پہنچا۔وہ دونوں ڈری ہوئی تھیں۔اس مکار کے دل میں بھی خوف تھا۔ذرا دیر بیٹھ کر اٹھ گیا۔

وہاں کے بادشاہ نے سنا کہ زبردست لشکر شہر کے نزدیک آ کے اترا ہے۔بڑا فکر مند ہوا۔وزیر کو تحفے دے کر بھیجا کہ لشکر میں جاؤ اور پتہ لگاؤ کہ کون ہے، کدھر سے آیا، کدھر کا ارادہ ہے اور سفر کا کیا مقصد ہے۔یہ لشکر میں پہنچا۔غرض بیگموں نے جعلی شہزادے کو خبر کی۔وہ تو وزیر کا بیٹا تھا۔سلطنت کے طور طریقوں سے پوری طرح واقف تھا۔وزیر کو اپنے پاس طلب کیا۔بتایا کہ سیر شکار کے لیے ادھر آ نکلے ہیں۔یہاں کی آب و ہوا اچھی پائی اور اس شہر کے دیکھنے کو جی بے تاب ہوا تو یہاں اتر پڑے۔وزیر نے اجازت چاہی تو نقلی شہزادے نے اسے خلعت و انعام دیا اور بادشاہ کے لیے کچھ تحفے عنایت کیے۔

وزیر نے اپنے بادشاہ سے اس کی بہت تعریف کی۔اس کی شان و شوکت اور دبدبے کا ذکر کیا۔بادشاہ کو اشتیاق ہوا اور خود ملاقات کے لیے روانہ ہوا۔ادھر سے وزیر امیر بخشی پیشوائی کو گئے، بناوٹی شہزادہ خود استقبال کو در خیمہ تک آیا۔بادشاہ اس سے کچھ ایسا مرعوب ہوا کہ سب کو اپنا مہمان کیا۔ایک عمدہ محل اس کے رہنے کو آراستہ کیا۔دو محل سرائیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی دونوں شہزادیوں کے لیے خالی ہوئیں۔یہ سب وہاں جا اترے۔خوب دعوتیں اور مہمان داریاں ہوئیں۔

چندروز بعد فرصت ملی تو اس بدمعاش کو یہ خیال آیا کہ جان عالم آزاد رہے تو کون جانے کیا مصیبت آئے اور ابھی تو وہ بندر کی شکل میں پھرتا ہوگا۔خدا جانے کیا کرے۔ملکہ کے باپ کی طرف سے بھی اسے برابر کھٹکا لگا رہتا تھا۔دل میں یہ بات ٹھہرائی کہ جس طرح بن پڑے جان عالم کو جان سے مار ڈالیے پھر عیش کیجیے۔یہ سوچ کے حکم جاری کیا۔''ہمیں بندروں کی ضرورت ہے۔جو کوئی ایک بندر لائے گا دس روپے پائے گا۔''

اہل شہر ہزاروں بندر پکڑ لائے۔یہ ہر بندر کو غور سے دیکھتا اور اس کا سر اتروا دیتا۔

تھوڑے ہی دنوں میں ہزاروں بندر ہلاک ہوگئے ۔ جب بندر کم رہ گئے تو ان کے دام بڑھ گئے یہاں تک کہ ایک بندر کی قیمت سو روپے ہوگئی۔ میلوں دور تک بندروں کا نام ونشان مٹ گیا۔ چنانچہ وہیں کے بھاگے ہوئے بندر آج تک متھرا و بندرابن میں پائے جاتے ہیں۔

اسی بستی میں ایک چڑی مار بھی رہتا تھا مگر فاقوں کا مارا اور ٹوٹے پھٹے حالوں میں۔ دن بھر کی بھاگ دوڑ میں دو ر چار جانور ہاتھ آتے اور دو چار پیسے میں بک جاتے اسی سے گزر بسر ہوتی اور دونوں کو چٹنی روٹی میسر ہوتی۔ کسی دن جانور ہاتھ نہ لگتے تو فاقے کرتا۔ ایک دن چڑی مار کی بیوی اس سے کہنے لگی۔ ''تو تو نرا احمق ہے۔ سارے سارے دن جانوروں کی تلاش میں بولایا پھرتا ہے۔ الو کی طرح ویرانے جھانکتا ہے۔ پھر بھی پیٹ میں نہ روٹی ہے نہ تن پہ لتا۔ اگر کسی تدبیر سے ایک بندر تیرے ہاتھ آجاتا تو دن پھر جاتے۔ کچھ دن آرام سے کٹ جاتے۔''

سچ ہے لالچ بری بلا ہے۔ اس کی سمجھ میں بیوی کی بات آگئی، بولا۔ ''کہیں سے مانگ کے آٹا لا، روٹی پکا اور جس طرح بن پڑے تھوڑے چنے منگا۔ صبح بندر کی تلاش میں جاؤں گا اور اپنا نصیب آزماؤں گا۔''

اس نے مانگ تانگ کے سامان جمع کر دیا۔ دو گھڑی رات رہے چڑی مار اٹھ کھڑا ہوا۔ اور دن کی طرح نہ جال لیا اور نہ پھٹکی۔ لاسا اور کمپا بھی گھر ہی میں چھوڑا۔ بس روٹی، چنے اور رسی لے کے چل نکلا۔ شہر کے آس پاس تو بندر رہے نہ تھے۔ چھ سات کوس نکل کے بندر ڈھونڈنے لگا۔

اب ادھر کا حال سنو۔ شہزادہ تو بندر بن ہی چکا تھا۔ اس نے جب سے یہ سنا تھا کہ بندر پکڑے جاتے ہیں اور اس کا فریبی یار ان کے سر تڑواتا ہے، اسی دن سے چھپتا پھرتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ پکڑا جاؤں اور جان سے ہاتھ دھوؤں۔ اس روز وہ کئی دن کا بھوکا پیاسا تھا۔ کمزوری سے نہ چلا جاتا تھا۔ ایک درخت کی کول میں غش ہو کر پڑا تھا۔ چڑی مار نے دیکھا۔ دبے پاؤں آکے گردن پکڑ لی۔ اس نے آنکھ کھولی کہ گردن موت کے پنجے میں پھنسی ہے۔ یقین ہوگیا کہ اب عمر کے دن پورے ہوگئے۔ چڑی مار نے کمر سے رسی کھول کے بندر کو کس کے باندھ لیا اور شہر کا رستہ لیا۔

تھوڑی دور تک تو بندر چپ رہا پھر چڑی مار سے بولا۔ '' اے بھائی تو کیوں مجھ

مصیبت کے مارے کوستا تا ہے۔ خواہ مخواہ مجھ بے گناہ کا خون اپنی گردن پر لیتا ہے۔''

وہ بولا۔''اچھی کہی۔ تو انسانوں کی طرح بول کر مجھے ڈراتا ہے۔ اگر تو جن، بھوت، دیو بلا ہے تو بھی میں تجھے چھوڑ نہیں سکتا۔ آج دن پھرے ہیں۔ تجھے لے جا کے بادشاہ کو دوں گا، سو روپے لوں گا اور چین کروں گا۔''

وہ یہ سن کر سن ہی تو ہو گیا۔ رہی سہی جان بھی نکل گئی۔ چڑی مار کو بہت سمجھایا کہ لالچ بری بلا ہے مگر اس نے ایک نہ سنی اور تیز تیز قدم بڑھاتا رہا۔ شام کے قریب گھر پہنچا۔ بیوی کو خوش خبری سنائی کہ محنت کے بغیر یہ دولت ہاتھ آئی۔

جس دن شہزادہ چڑی مار کے ہاتھ لگا اس دن ملکہ کا دل بہت گھبرایا۔ کسی طرح چین نہ آیا۔ اسی دن انجمن آرا اس سے کہنے لگی۔''تم نے سنا۔ یہ کم بخت بندر پکڑ وا کے ان کے سر کچلواتا ہے۔ میرا دل کہتا ہے ہو نہ ہو جان عالم ان دنوں بندر ہی کے روپ میں ہے۔ اور آج تو خدا خیر کرے۔ صبح سے میرا دل بری طرح گھبرا رہا ہے۔ خدانخواستہ کہیں شہزادہ پکڑا نہ گیا ہو۔''

ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں ادھر چڑی مار کی بیوی چراغ لے کے بندر کو دیکھ رہی تھی۔ بندر نے سوچا وہ تو مرد تھا نہ پسیجا۔ یہ عورت ہے۔ کہتے ہیں عورت کا دل نرم ہوتا ہے اس کی خوشامد کر دیکھو۔ یہ سوچ کے اسے سلام کیا۔ وہ بندر کو آدمیوں کی طرح بولتے دیکھ کے ڈر گئی۔ اب اس نے بات شروع کی۔

''اے نیک بخت! خوف نہ کر۔ میری دو باتیں دھیان سے سن لے۔'' گنواریاں جی کی کڑی بھی ہوتی ہیں۔ بندر کا بولنا اچنبھا سمجھ کے کہا۔''کہہ''۔

وہ بولا۔''ہم غریب الوطن، مصیبتوں میں گرفتار، گھر سے دور اور قید میں مجبور ہیں۔ ماں باپ نے بڑے نازوں سے پالا مگر قسمت کے آگے کس کی چلتی ہے۔ ہم در در کی ٹھوکریں کھانے اور اس حال کو پہنچنے کے لیے گھر سے نکلے۔ یہاں تک کہ اب اس شکل میں گرفتار ہو کے تیرے سامنے آئے صبح کو ہم گردن مارے جائیں گے۔ تب سو روپے تمھارے ہاتھ آئیں گے۔ قیامت کے دن تم بے گناہ کی جان لینے کی سزا پاؤ گی اور دوزخ میں جلو گی۔ سو روپے کیا چیز ہیں۔

کتنے دن کھاؤ گی۔ ہمارے حال پر رحم کرو۔ خدا کوئی اور صورت کرے گا۔ سو روپے کے بدلے تمھارا گھر اشرفیوں سے بھرے گا۔ تو نے یمن کے بادشاہ کا قصہ نہیں سنا؟ اس نے ایک سلطنت دی، بدلے میں دو پائیں۔ لالچی کی قضا آئی۔''

عورت کا دل پسیجا۔ بندر کی باتوں پر کچھ تعجب، کچھ افسوس کر کے کہنے لگی۔

''ہنومان جی! وہ کہانی کیسی ہے؟ سناؤ مہاراج۔''

شاہ یمن کا قصہ

بندر نے کہا۔ ''کسی زمانے میں ملک یمن پر ایک بادشاہ راج کرتا تھا۔ خدا نے اسے بے حساب دولت دی تھی۔ وہ بھی ایسا خدا سے ڈرنے لگا تھا کہ اللہ کی راہ میں سب کچھ نثار کرنے کو سدا حاضر تھا۔ ادھر سائل کے منہ سے سوال نکلا ادھر پورا ہوا۔ اس لیے دور دور خدا دوست کے نام سے مشہور ہو گیا۔''

ایک دن کوئی شخص آیا اور سوال کیا۔ ''اگر خدا دوست ہے تو اللہ کے واسطے تین دن مجھے حکومت کرنے دے۔''

بادشاہ نے کہا۔ ''بسم اللہ۔ اور حکومت کے سارے ملازموں، امیروں، وزیروں کو تاکید کی کہ ہر طرح اس کا حکم بجا لائیں۔ جو اس میں کوتاہی کرے گا سزا پائے گا۔''

چوتھے روز بادشاہ نے پوچھا۔ ''اب کیا ارادہ ہے؟'' وہ بولا۔ ''پہلے تو تیرا امتحان لینا تھا۔ اب بادشاہت کا مزہ پڑ گیا۔ خدا کے واسطے یہ تخت و تاج ہمیشہ کے لیے مجھے بخش دے۔''

بادشاہ نے کہا۔ ''یہ حکومت آپ کو مبارک ہو'' سب کچھ اسی کو بخش دیا۔ خزانے میں سے کچھ بھی نہ لیا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ ایک سات برس کا دوسرا نو برس کا۔ ان دونوں کا ہاتھ تھاما، بی بی کو ساتھ لیا اور پیادہ پا محتاجوں کی طرح چل نکلا۔ کسی دن دو کوس کا سفر کرتا۔ کسی دن چار کوس کا۔ کسی بستی میں کوئی روزی میسر آ گئی تو ٹھیک ورنہ روزہ رکھ لیتا۔

کچھ دنوں چلنے کے بعد ایک شہر میں آ پہنچا اور مسافر خانے میں اترا۔ اتفاق سے اسی وقت ایک سوداگر بھی کہیں سے وہاں آ پہنچا۔ اس کا قافلہ تو دور تھا۔ یہ گھوڑے پہ سوار سیر کرتا مہمان سرا تک چلا آیا۔ ملکہ کو دیکھا۔ اس کا چہرہ سفر کی وجہ سے گرد میں اٹ گیا تھا مگر چاند بادلوں کی اوٹ میں بھی اچھا لگتا ہے۔ سوداگر کو ملکہ بہت پسند آئی اور وہ اسے حاصل کرنے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔

سوداگر جی میں کچھ سوچ کر اور مصیبت کے ماروں کی سی شکل بنا کر بادشاہ کے پاس آیا۔ سلام کیا اور بولا۔ ''اے عزیز! میں تاجر ہوں، قافلہ باہر اترا ہے۔ میری بیوی بیمار ہے، بچہ ہونے والا ہے۔ یہاں کوئی نہیں جو اس کی دیکھ بھال کر سکے۔ تو نیک بخت ہے۔ ذرا دیر کے لیے اپنی بیوی کو میرے ساتھ کر دے ورنہ اس غریب کی جان جائے گی۔''

اس نے بی بی سے کہا۔ ''یہ بھی خوش نصیبی ہے کہ ہم اس محتاجی میں بھی کسی کے کام آ سکیں۔ تو اس کے ساتھ جا اور اس عورت کی جان بچا۔'' اس بے چاری نے دم نہ مارا۔ فوراً سوداگر کے ساتھ روانہ ہوئی۔ اس نے دروازے سے نکل کے اس غریب سے کہا کہ۔ ''قافلہ دور ہے۔ آپ گھوڑے پر چڑھ لیں تاکہ جلدی پہنچ کے اس کی دیکھ بھال کریں۔''

وہ غریب اس کا فریب نہ جانتی تھی۔ گھوڑے پر سوار ہوگئی۔ سوداگر اسے لیے قافلے کے پاس پہنچا اور کوچ کا حکم دے دیا۔ اب تو بے چاری بہت روئی پیٹی چیخی چلائی مگر اس کا دل پتھر تھا۔ اس میں جونک نہ لگی۔ بادشاہ نے بہت دیر انتظار کیا۔ پھر اسے ڈھونڈنے نکلا۔ قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ دور گرد اڑتی نظر آتی تھی۔ پیچھا کرنا بے سود تھا۔ صبر کر لیا۔ بچوں کو ساتھ لے کے روانہ ہوا۔ راستہ بھول گیا۔ ندی ملی مگر پار کرنے کی کوئی کشتی نہ تھی۔ ایک بیٹے کو کنارے پر بٹھایا اور دوسرے کو کندھے پر چڑھا کر دریا پار کرنے لگا۔ ابھی آدھے راستے میں تھا کہ کنارے والے لڑکے کو بھیڑیا اٹھا لے چلا۔ وہ چلایا تو وہ گھبرا کے مڑا۔ اس میں کندھے کا بچہ دریا میں گر پڑا خود بھی غوطے کھانے لگا مگر بڑی مشکل سے کنارے پر پہنچا۔''

تخت چھوٹا، بیوی چھوٹی۔ دونوں بچے خدا کو پیارے ہوئے۔ اب خدا دوست تھا اور

اتنے بہت سے غم۔ اسی پریشانی میں خدا کا شکر ادا کرتا چلا جاتا تھا۔ سہ پہر کو ایک شہر کے قریب پہنچا۔ شہر پناہ کے دروازے پر بھیڑ جمع تھی۔ ادھر آیا۔ اس ملک میں یہ دستور تھا کہ بادشاہ مرجاتا تو امیر وزیر شہر کے باہر جمع ہوجاتے اور ایک باز اڑاتے۔ یہ باز جس کے سر پر بیٹھ جاتا اسی کو بادشاہ بناتے۔ یہ وہی دن تھا۔ باز چھوڑا جاچکا تھا مگر ابھی تک کسی کے سر پہ نہ بیٹھا تھا۔ اس فقیر صورت بادشاہ کا وہاں پہنچنا تھا کہ باز اس کے سر پر آبیٹھا۔ فوراً اس کی خدمت میں تخت پیش کردیا گیا۔ اس نے ہر چند انکار کیا کہ میں اس قابل نہیں۔ جس بلا کو چھوڑ کے نکلا ہوں وہی گلے پڑتی ہے مگر کوئی نہ مانا۔ اسے تخت پر بٹھا کے نذریں پیش کی گئیں۔ توپیں داغی گئیں۔ بڑے کروفر کے ساتھ اسے شاہی محل میں لایا گیا۔ اس کے نام کے سکے جاری ہوئے۔ اس نے بھی نہایت عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرنی شروع کردی۔

اب ان لڑکوں کا حال سنیے۔ جس لڑکے کو بھیڑیا اٹھالے گیا تھا وہ اس طرح بچا کہ سامنے سے ایک تیرانداز آتا تھا۔ اس نے تاک کے نشانہ مارا۔ بھیڑیا ڈھیر ہوگیا۔ اس کے اولاد نہ تھی۔ لڑکے کو اولاد کی طرح پالنے لگا۔ ڈوبنے والے کو ایک تیراک نے بچایا، اس کے بھی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس طرح دونوں بچے اسی شہر میں پلنے لگے جس میں ان کا باپ حکومت کرتا تھا۔

بادشاہ کو اپنے دونوں بیٹوں کا بہت غم تھا۔ اس نے وزیر سے کہا کہ ''دولڑکے ہماری صحبت کے قابل ڈھونڈ کے لا۔'' اس نے منادی کرادی۔ مجبوراً سب اپنے اپنے بچوں کو لے کر حاضر ہوئے۔ اتفاق دیکھو کہ یہی دونوں لڑکے وزیر کو پسند آئے۔ اب محل میں ان دونوں کی پرورش ہونے لگی۔ مگر قسمت دیکھو کہ تینوں میں سے کوئی ایک دوسرے کو نہ پہچان سکا۔

کچھ دن بعد وہ دغاباز سوداگر بھی پچھلے بادشاہ کے لیے کچھ سامان لے کر ادھر آیا۔ سنا کہ بادشاہ تو مرگیا۔ بہت ملول ہوا مگر لوگوں نے کہا کہ نیا بادشاہ اس سے بھی اچھا ہے تو اس کی خدمت میں حاضر ہو چنانچہ یہ حاضر ہوا مگر دونوں ایک دوسرے کو نہ پہچان سکے۔

سوداگر ملکوں ملکوں کی سیر کرتے ہیں۔ گھاٹ گھاٹ کا پانی پیتے ہیں۔ بادشاہ دیر تک اس سے ادھر ادھر کے ملکوں کا حال پوچھتا رہا۔ رات ہوگئی تو بادشاہ نے کہا کہ ''آج کی رات تو

یہیں رہ اور قصے سنا تا رہ۔'' وہ بہت پریشان ہوا۔ پھر بادشاہ کے پوچھنے پر بتایا کہ'' میرے پاس ایک عورت ہے جو میرے ساتھ خوش نہیں۔ ڈرتا ہوں کہیں وہ نکل نہ بھاگے۔''

بادشاہ نے ان دونوں لڑکوں کو حکم دیا کہ سوداگر کے خیمے پر جائیں اور ساری رات پہرہ دیں۔ دونوں حکم بجالائے۔

دونوں بھائی خیمے کے دروازے پر کرسی بچھا کے بیٹھ گئے۔ جب آدھی رات گزر گئی تو ایک کو نیند آنے لگی۔ دوسرے نے کہا'' سونا مناسب نہیں۔ ایسا نہ ہو کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہو۔ کوئی ایسی کہانی سناؤ جس سے نیند اچٹ جائے۔'' اس نے کہا۔'' کہانی کیا ہم آپ بیتی سناتے ہیں۔ اگر غور سے سنو گے تو نیند کیسی، کئی دن تک بھوک پیاس نہ آئے گی۔ سن، اے دوست! میں یمن کے بادشاہ کا بیٹا ہوں۔ میرے باپ نے اپنی سلطنت اللہ کے نام پر ایک سائل کو دے دی۔ مجھے اور میرے بھائی کو جس کی صورت تجھ سے ملتی تھی ساتھ لیا۔ ہماری ماں بھی ہمراہ تھی ان جانی منزل کو چل دیا۔ ایک مکار تاجر دھوکے سے ہماری ماں کو لے اڑا۔ ہم دونوں بھائی اپنے باپ کے ساتھ رہے۔ وہ مجھے کنارے بٹھا، چھوٹے کو کندھے پر چڑھا دریا پار کرتا تھا۔ مجھے بھیڑیے نے پکڑا تو میں چلایا۔ ہمارا باپ ایسا بوکھلایا کہ میرا بھائی اس کے کندھے سے پھسل کے گر پڑا۔ وہ خود بھی نہ سنبھل سکا اور غوطے کھانے لگا۔ مجھے ایک تیرانداز نے بھیڑیے کے منہ سے چھڑایا۔ ماں، باپ اور بھائی پہ کیا بیتی یہ پتہ نہیں۔'' یہ سن کر دوسرا بھائی گلے سے لپٹ گیا کہ'' جو دریا میں گرا وہ میں تھا۔ ایک تیراک ماہی گیر نے مجھے موت کے منہ سے بچایا۔'' اندر دونوں کی ماں یہ قصہ سنتی تھی۔ اس نے خیمے کا پردہ الٹ دیا اور دونوں بیٹوں کو سینے سے لگایا۔

بادشاہ نے یہ قصہ سنا تو سواری بھیج کے تینوں کو بلایا۔ اس طرح بچھڑے ہوئے پھر سے مل گئے۔ سوداگر بدبخت قید میں ڈالا گیا۔ دن نکلا تو بادشاہ کے حکم سے جلاد نے اس کی گردن ماردی اور دنیا کو اس ملعون سے نجات دلائی۔

یہ قصہ اخباروں میں چھپا۔ یمن کے لوگوں نے پڑھا۔ وہاں جو سائل حکومت کرتا تھا وہ ظالم نکلا۔ رعایا اس سے عاجز تھی۔ آخر وزیر نے زہر دے کر اس کا کام تمام کیا اور خدا دوست کو

لکھا کہ تمھاری رعایا تمھارے لیے بے چین ہے۔ بادشاہ کو بھی وطن کی یاد نے ستایا۔ جلد یمن آیا اور دونوں ملکوں پر حکومت کرنے لگا۔

یہ کہانی سنانے کے بعد بندر اس عورت سے بولا ''اے نیک بخت! تو نے دیکھا جو اللہ کا نیک بندہ تھا اور جسے خدا کا ڈر تھا ہر طرح فائدے میں رہا۔ ایک سلطنت دی تو دو پائیں۔ لالچی تاجر کا حشر بھی تو نے دیکھ لیا۔''

بندر کی باتوں کا عورت پر اثر ہوا اور خدا نے اس کے دل میں رحم پیدا کر دیا۔ بولی۔ ''تو اطمینان رکھ، جیتے جی تو تجھے بادشاہ کو دوں گی نہیں۔ فاقے کر لوں گی مگر سو روپے کا لالچ نہیں کروں گی۔'' اس نے بندر کو روٹی کھلائی، پانی پلایا اور سو رہی۔ صبح کو چڑی مار اٹھا اس نے ارادہ کیا کہ بندر کو بادشاہ کے پاس لے جائے اور انعام پائے۔ عورت نے کہا۔ ''آج پھر قسمت آزمانے جا۔ اگر کچھ جانور ہاتھ آ جائیں اور روٹی مل جائے تو کیوں اس بے چارے کی جان جائے اور ہمارے سر ہتیا جائے۔ نہیں تو اسے کل بادشاہ کے پاس لے جانا۔

چڑی مار کو تو اپنی بیوی کی بات پسند نہ آئی، بولا۔ ''تو اس کے جھانسے میں آ گئی۔'' اس کی زبان سے یہ بات سن کر بندر نے کہا کہ۔ ''عجب بات ہے عورت تو ہمدردی کی بات کرتی ہے اور تو مرد ہو کے محنت سے جی چراتا ہے، بے محنت کی کھانا چاہتا ہے۔'' یہ بات چڑی مار کے بھی سمجھ میں آ گئی۔ جال پھٹکی لے کے روانہ ہوا۔ اور دن تو دو چار پرندے ہاتھ لگتے تھے، آج جال بھر گیا۔ یہ جانور کئی روپے کے بک گئے۔ وہ آٹا، دال، نون، تیل، لکڑی لے کے گھر آیا۔ بیوی سے بولا ''ارے یہ ہنومان جی تو بڑے بھاگوان ہیں۔ دیکھ بھگوان کی کرپا ہوگئی۔ سارے دلدر دور ہو گئے۔'' وہ بھی خوش ہوگئی اور بندر کی خوب خاطر کی۔

چڑی مار کے بھاگ تو سچ مچ پھر گئے۔ کپڑا لتا گہنا پاتا سبھی کچھ جمع ہو گیا۔ ایک بھٹیاری کا گھر چڑی مار کے گھر سے ملا ہوا تھا۔ تھوڑے دنوں بعد اس بھٹیاری کے گھر کوئی تاجر آ کے اترا۔ ایک رات سوداگر نے چڑی مار کے گھر کسی کو بولتا سنا۔ ایسا لگتا تھا کہ کوئی بچہ پیاری پیاری باتیں کر رہا ہے۔ سوداگر نے بھٹیاری سے پوچھا کہ برابر میں کون رہتا ہے۔ اس نے بتایا

کہ چڑی مار۔سوداگر نے کہا کہ اس کا بچہ بڑی پیاری باتیں کرتا ہے۔بھٹیاری نے بتایا کہ اس کے تو کوئی بچہ نہیں۔بس میاں بیوی رہتے ہیں۔سوداگر نے کہا۔''آ،سن،''اس نے سنا تو واقعی کسی بچے کے بولنے کی آواز آرہی تھی،سوداگر نے کہا''اس بچے کی آواز میں بڑا درد ہے۔ذرا اسے میرے پاس لے کے آ۔اس کی باتیں سنوں گا۔اسے کچھ دوں گا اور تیرا بھی منہ میٹھا کروں گا۔''

بھٹیاری چڑی مار کے گھر پہنچی تو دیکھا کہ بندر باتیں کر رہا ہے مگر اسے دیکھ کے چپ ہو رہا۔وہ دونوں بھٹیاری کے پیروں پر گر پڑے،کہنے لگے۔''ہم نے اسے اپنے بیٹے کی طرح پالا ہے۔ایسا نہ ہو اس کی خبر بادشاہ تک پہنچے اور وہ اسے لے کے مروا دے۔''وہ بولی۔''میں کسی سے کیوں کہنے لگی۔''

وہاں سے لوٹ کے بھٹیاری نے سوداگر سے کہا کہ۔''وہاں کوئی نہ تھا۔''اس نے کہا۔''دیوانی پھر وہ آواز کس کی آتی تھی۔''کہنے لگی''بلیاں لوں،مجھے کیا غرض جو کہوں کہ بندر بولتا ہے۔''

سوداگر خوب ہنسا۔کہنے لگا''اری سڑن کہیں بندر بولتا ہے۔''

وہ بولی''صدقے گئی،اسی لیے تو میں بھی نہیں کہتی کہ بندر بولتا ہے۔''

سوداگر کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا قصہ ہے،خود چڑی مار کے گھر چلا گیا۔جا کے دیکھا کہ واقعی دو میاں بیوی ہیں اور ایک بندر یقین ہو گیا کہ بندر بولتا ہے۔چڑی مار کی عورت بندر کو چھپانے لگی تو وہ بولا۔''اب بھید کھل گیا۔یہ بندر مجھے دو۔منہ مانگی قیمت لو۔نہیں تو ابھی بادشاہ کو خبر کرتا ہوں۔''

دونوں میاں بیوی یہ سن کر رونے پیٹنے لگے۔بندر نے سمجھا اب جان نہیں بچتی۔اتنی ہی زندگی تھی،بولا''بیکار رونے سے کیا فائدہ۔ہماری قسمت میں یہی لکھا تھا۔تقدیر کے آگے کسی کا بس نہیں چلتا۔مجھے اس سوداگر کے حوالے کر دو۔بادشاہ کو خبر پہنچی کہ تم نے مجھے چھپا رکھا ہے تو تم سزا پاؤ گے۔''

چڑی مار کو دکھ تو بہت ہوا مگر کر کیا سکتا تھا۔ اس نے سوداگر سے وعدہ کیا کہ اسے بادشاہ کو نہ دینا اور اس کی اچھی طرح دیکھ بھال کرنا۔ پھر وہ بندر سوداگر کے حوالے کر دیا سوداگر نے چڑی مار کو بہت سا مال دیا اور بندر کو لے کے سرائے میں آیا، اسے خوب سا پیار کیا اور حال پوچھا۔

بندر نے صرف اتنا بتایا کہ۔'' مصیبت کا مارا ہوں اور کسی طرح اس مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہوں۔'' سوداگر کو اس پر بہت ترس آیا۔ اسے بڑی اچھی طرح رکھنے لگا مگر نرالی چیز ہاتھ آئی تھی۔ جو کوئی آتا اسے بندر دکھاتا بلکہ اس کی باتیں سنواتا۔ وہ نکل کے کہیں اور کہتا۔ آخر یہ بات دور دور پہنچی کہ سوداگر کے پاس ایک بندر ہے جو آدمیوں کی طرح بولتا ہے۔

ہوتے ہوتے یہ خبر اس احسان فراموش، نمک حرام وزیر زادے کو پہنچی جو اب شہزادہ بنا بیٹھا تھا۔ سمجھ گیا ہو نہ ہو یہ وہی بندر ہے۔ اسے فوراً حاصل کر کے موت کے گھاٹ اتار دینا چاہیے۔ فوراً ایک چوب دار کو بھیجا کہ جائے اور بندر لے آئے مگر سوداگر نے بندر نہ دیا کہ میں نے اسے اولاد کی طرح پالا ہے۔ اس کی جدائی کسی طرح گوارہ نہیں۔ یہ کورا جواب سن کے وزیر زادے کو بڑا تاؤ آیا۔ فوراً وہاں کے بادشاہ غضنفر شاہ کو لکھا کہ سوداگر سے بندر ہمیں دلاؤ ورنہ اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا۔ اس نے امیروں وزیروں سے صلاح کی۔ سب نے یہی کہا کہ ایک بندر کی خاطر خون خرابہ اچھا نہیں۔

بادشاہ کے آدمی سوداگر کے پاس پہنچے۔ سوداگر سمجھ گیا کہ اب نہ خوشامد کام دے گی نہ زور زبردستی۔ بندر نے بھی سمجھایا کہ اب ساری تدبیریں بے سود ہیں۔ آخر بہت کہہ سن کے رات بھر کی مہلت ملی۔ یہ طے پایا کہ صبح کے وقت سوداگر خود بندر لے کر شہزادے کی خدمت میں حاضر ہوگا۔

ذرا دیر میں یہ خبر ہر طرف پھیل گئی کہ ایک سوداگر کے پاس بندر ہے جو انسانوں کی طرح بولتا ہے۔ کل صبح یہ بھی مارا جائے گا۔ ہوتے ہوتے یہ خبر مہر نگار تک بھی پہنچی۔ سمجھ گئی ہو نہ ہو یہی شہزادہ ہے۔ وزیر زادے نمک حرام کو بہت کوسا اور لوگوں سے پوچھا کہ۔'' صبح کو سوداگر کس راستے سے گزرے گا اور ہم یہ تماشا کیسے دیکھ سکیں گے۔'' لوگوں نے عرض کیا کہ'' سوداگر ملکہ کے جھروکے کے نیچے سے گزرے گا۔''

یہ سن کر ساری رات تڑپتی رہی، نیند نہ آئی۔ دو گھڑی رات سے برآمدے میں آ بیٹھی اور ایک تو تا پنجرے میں پاس رکھ لیا۔ دن نکلنے سے پہلے بازار میں ہلڑ ہوا اور تماشائیوں کا میلہ لگ گیا۔

سوداگر نے اٹھ کے صبح کی نماز پڑھی۔ پھر کمر میں پیش قبض لگا کے ہاتھی پر سوار ہو گیا۔ بندر کو اپنی گود میں بٹھالیا اور مرنے مارنے پر کمر باندھ لی، بندر سے بولا ''تو پریشان نہ ہو، پہلے تو اسے سمجھاؤں گا کہ خواہ مخواہ اس بے گناہ کی جان نہ لے۔ نہ مانا تو پھر بھاری رقم دے کے تیری جان بچانے کی کوشش کروں گا مگر تجھے اس کے حوالے نہ کروں گا۔ مرد جو کہتے ہیں وہی کرتے ہیں۔''

سوداگر کا آگے بڑھنا تھا کہ خلقت نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ بندر لوگوں سے مخاطب ہو کے بولا ''صاحبو! یہ دنیا عبرت کی جگہ ہے۔ یہاں کی ہر چیز آنی جانی ہے، قسمت کے آگے ہر ایک لاچار ہے۔ یہاں ایسا کوئی نہیں جسے کوئی نہ کوئی دکھ، کوئی نہ کوئی تکلیف نہ ہو، خدا کی قدرت دیکھو کہ مجھ بے زبان کو بولنا سکھایا کہ تم سب میری باتیں سننے چلے آتے ہو، میرے حال پر ترس کھاتے ہو۔ تم سب جانتے ہو کہ آج میرا سامنا ایک ظالم سے ہوگا جو مجھ بے گناہ کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے گا۔

جب ظالم ظلم کرتا ہے تو یہ بھول جاتا ہے کہ بادشاہ ہو یا بھکاری سب کا انجام ایک ہے۔''

''ایک دن سب کو مٹی میں مل کے مٹی ہو جانا ہے۔ کسی کا سنگ مرمر کا مقبرہ بنتا ہے، کسی کو مشکل سے گور گڑھا ملتا ہے۔ دنیا میں خوشی کے بعد غم ہوتا ہے۔ ہر بلندی کو ایک دن پستی میں بدلنا پڑتا ہے۔ مطلب یہ کہ دنیا کارخانہ ایسا ہے جیسے صبح کا چراغ کہ اب بجھا اور اب بجھا۔ اس لیے اس دنیا سے بھلا آدمی دل نہ لگائے۔''

بندر کی تقریر سے لوگ حیران بھی تھے اور اس کی باتوں کا ان پر اثر بھی بہت ہوا تھا۔ ساری خلقت اس کے ساتھ روتی چلی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ یہ جلوس ملکہ کے جھروکے کے تلے آ پہنچا۔

ملکہ سوداگر سے مخاطب ہو کے بولی۔ ''ایک دم کو ٹھہر جا۔ میں بھی اس مصیبت کے مارے کی تقریر سننا چاہتی ہوں۔'' سوداگر نے یہ سن کے ہاتھی روکا۔

ملکہ بندر سے بولی۔ ”اے بے زبان مقرر! اے خانماں خراب! ہم اب کس قابل ہیں مگر تجھ پر جو مصیبت پڑی اس کی داستان سننے کی خواہش رکھتے ہیں۔“

بندر نے آواز پہچانی۔ پہلے تو خوب رویا پھر جی ٹھہرا کے کہنے لگا۔

”کیا سنائیں یار نے عیاری کی، مل کے دغا دی۔ ہم سے جس کے آنسو دیکھے نہ جاتے تھے وہ ہمارے خون کا پیاسا نکلا۔ سچ ہے اس دنیا میں نیکی کا بدلہ بدی ہے۔ پھر سے وطن دیکھنے کی تمنا دل میں ہی رہ گئی۔ دوستوں کا کہا نہ مانا وہ آگے آیا۔ اب سمجھ میں آیا کہ اپنا بھید کسی پر کھولنا اچھا نہیں۔ کسی کو کیا دوش دوں۔ میں نے آپ اپنے پیروں میں کلہاڑی ماری۔ اب کوئی تدبیر بن نہیں آتی۔ کوئی گھڑی میں مفت جان جاتی ہے۔ جو دیکھتا ہے وہ جانتا ہے جو نہیں جانتا اس سے کہہ دینا کہ تمھارے لیے گھر چھوڑ کے در بدر ہوئے اور آج جان سے جاتے ہیں۔“

ان باتوں سے رہا سہا شک بھی جاتا رہا۔ پکا یقین ہو گیا کہ جان عالم یہی ہے۔ جواب دیا کہ۔ ”جو جانتے تھے (یعنی ملکہ مہر نگار) ان سے کیا ہو سکا، جو نہیں جانتے تھے (یعنی انجمن آرا) اب وہ جان کے کیا کریں گے۔“ اتنا کہا اور توتے کی گردن مروڑ، پنجرہ پردے سے باہر نکال دیا۔ بندر کی نگاہ پنجرے پر پڑی، سمجھا ملکہ پہچان گئی، جھٹ سوداگر کی گود میں لیٹ گیا اور اپنی جان توتے کے بدن میں داخل کر دی، توتا پھڑکا، ملکہ کا دل خوشی سے دھڑکا، پنجرہ اندر کھینچ لیا۔

سوداگر نے دیکھا بندر مر گیا، چاہا اپنی جان لے لے اور بدنامی سے چھوٹے۔ لوگوں نے سمجھایا کہ۔ ”خدا کی مرضی میں دخل نہیں۔ اگر وہ ظالم لے کے مار ڈالتا تو کون روکتا۔ اب اتنا تو ہے کہ اپنی موت آپ مرا۔ صبر کرو۔“ تماشائیوں نے سنا کہ بندر مر گیا تو سب رو دیے۔ سب ایک ہی بات کہتے تھے۔ ”بندر خوش نصیب تھا۔ ظالم کے آگے جانے کی نوبت نہ آئی۔ مرنے کے ڈر سے سوداگر کی گود میں جان دے دی۔“

یہ خبر وزیر زادے کو پہنچی، پھر بھی چین نہ آیا۔ لاش منگا کے اپنے سامنے جلوائی اور دل ٹھنڈا کیا۔ وہاں ملکہ مہر نگار پنجرہ لے بیٹھی۔ لوگوں کو پاس سے سرکا دیا۔ میاں مٹھو نے شروع سے آخر تک سارا حال کہہ سنایا کہ۔ ”ہم نشے کی ترنگ میں تھے۔ وزیر زادہ رویا کہ ہم سے راز

چھپاتے ہو۔ہم نے جسم بدلنے کی ترکیب بتادی۔اس نے یہ عمل ہمیں پر آزمایا۔پھر چڑی مار کے جال میں پھنسے۔ایک تاجر نرالی چیز جان کے ہمیں اس سے خرید لیا۔پھر آج تم سے آملے۔'' ملکہ نے کہا۔''اطمینان رکھیے اب جلد کوئی صورت ہوئی جاتی ہے۔''

یہاں یہ بات چیت ہو رہی تھی کہ اس خبیث کے آنے کی اطلاع پہنچی۔ پہلے وہ آیا کرتا تھا تو ملکہ بات نہ کرتی تھی۔ وہ آپ ہی شرمندہ ہو کے اٹھ جاتا تھا آج ملکہ اس کے استقبال کو آئی۔ وہ کم بخت یہ سمجھا کہ اس نے بندر کو پہچان لیا اور اسے اپنی آنکھوں سے مرتے دیکھ لیا۔ اس لیے دب گئی ہے۔اب جلدی نہیں کرنی چاہیے یہ کوئی دن میں خود ہی اسے بھول جائے گی۔ اسے ملکہ کے باپ کا بھی بہت ڈر تھا کہ بڑا عالم ہے پتہ نہیں کیا عمل کرے۔

وزیرزادہ رخصت ہونے لگا تو ملکہ نے کہا۔'' بکری کا ایک خوب صورت بچہ ہمیں بھیج دو۔اسے پالیں گے اور اپنا دل بہلائیں گے۔'' یا تو ملکہ بات نہ کرتی تھی یا فرمائشیں کرنے لگی۔ وزیرزادہ دل ہی دل میں بہت خوش ہوا کہ اتنے دن بعد یہ نوبت آئی۔اسی وقت ایک بکری کا بچہ منگوا کر بھجوایا۔دوسرے دن وزیرزادہ آیا تو ملکہ کو بہت خوش پایا۔اس کے سامنے دیر تک بچے سے کھیلتی رہی۔

کئی دن یہی کھیل ہوتا رہا۔ایک روز ملکہ نے بچہ کو دبا کے ادھ موا کر دیا اور چوب دار دوڑایا کہ شہزادے کو جلد بلا لا۔کہنا کہ دیر لگاؤ گے تو جیتا نہ پاؤ گے۔دوڑا چلا آیا۔ملکہ نے توتے کا پنجرہ اپنے پلنگ کے پاس رکھ لیا تھا۔اور بچے کو بالکل مار کے گود میں دھر لیا تھا۔وزیرزادہ سامنے آیا تو ملکہ بلک بلک کے رونے لگی۔شہزادے نے سمجھایا کہ کیوں روتی ہو،اس کے بدلے ہزار بچے حاضر کرتا ہوں۔

ملکہ نے کہا۔''ابھی اسی بچے کو زندہ کرو۔اگر میری خوشی چاہتے ہو تو یہ کام ابھی کرنا ہوگا۔'' وہ بولا۔'' کہیں مر کے بھی کوئی زندہ ہوا ہے جو یہ زندہ ہوگا؟''

ملکہ نے کہا۔''واہ جب میں روئی تھی تو تم نے میری مدد کو زندہ کر دیا تھا۔''

اس نمک حرام نے سوچا کہ شاید شہزادے نے ایسا کیا ہو۔پھر پوچھا۔''ذرا یہ تو بتاؤ ہم

نے مینا کو کس طرح زندہ کیا تھا؟''

ملکہ نے جواب دیا۔''تم پلنگ پر لیٹ رہے تھے، وہ جی اٹھی تھی۔'' یہ نشانی بھی ٹھیک پائی۔ سوچا لاؤ ذرا سی دیر کو اپنی جان اس مردہ بکری کے بچے میں لے جاؤں۔ یہ بہل جائے گی اس کے بعد پھر اپنے بدن میں لوٹ آؤں گا۔ یہ نہ معلوم تھا کہ موت سر پہ منڈلا رہی ہے۔ کہا بچہ گود سے رکھ دو۔''

ملکہ نے بچہ زمین پر ڈال دیا۔ وزیر زادہ پلنگ پر لیٹا، اپنی روح بکری کے بچے کے جسم میں لایا۔ وہ کودنے لگا۔ ملکہ نے گود میں لیا، پیار کیا، اس نے تو سوچا تھا کہ ذرا سی دیر میں ملکہ کا دل بہل جائے تو پھر اپنے بدن میں لوٹ آؤں گا۔ یہ نہ سمجھا کہ موت گھات میں ہے اور اب قسمت کو کچھ اور ہی منظور ہے۔

شہزادہ جان عالم یہ سب معاملہ پنجرے سے دیکھ سن رہا تھا۔ فوراً اپنی جان اپنے بدن میں لا اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ بزدل جان عالم کو دیکھ گھبرا گیا کہ قسمت بری ہے۔ کوئی دم میں گلا ہے اور چھری ہے۔ ملکہ نے کوئی'' منتر پڑھ کے بکری کے بچے پر پھونک دیے کہ وہ اپنی جان دوسرے کے بدن میں لے جانے کو بھول گیا۔''

ملکہ نے انجمن آرا کو بلایا، کہا'' لو جی خدا نے ہماری تمھاری آبرو رکھ لی اور بچھڑے سے ملایا۔ یہ تمھارا احمق شہزادہ ہے اور یہ بکری کا بچہ نہیں وزیر زادہ ہے۔'' تینوں کی خوشیاں بے حساب تھیں۔ آنکھوں سے مارے خوشی کے آنسو جاری تھے۔ جو سہیلیاں اس راز سے واقف تھیں وہ مبارک باد کو دوڑیں۔ جان عالم نے سوداگر کو بلا کے ساری بات بتائی اور بہت انعام دیا۔ پھر چڑی مار کو بلا کے مالا مال کیا اور غضنفر شاہ کی اجازت سے اسے چڑی ماروں کا چودھری بنا دیا۔ اب کوچ کی تیاری ہوئی غضنفر شاہ سے اجازت لی اور سفر کا سامان درست کر کے چل نکلے۔

11

جادوگرنی سے مقابلہ

شہزادہ جان عالم اور اس کا قافلہ سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا اسی حوض کے کنارے آ پہنچا جس میں غوطہ کھا کے شہزادہ مصیبت میں پھنسا تھا۔ حوض کے کنارے خیمے لگ گئے۔ شہزادے نے وہ حوض ملکہ مہر نگار اور انجمن آرا کو دکھایا۔

شہزادہ سفر کا تھکا ہوا تھا۔ سورج ڈوبا تو اس نے نماز پڑھی اور لیٹ رہا۔ نیند میں تھا کہ انجمن آرا کی ایک خاص کنیز گھبرائی ہوئی دوڑی آئی، بولی ''شہزادے کی عمر دراز ہو۔ شہزادی کی طبیعت ناساز ہے، کلیجے میں درد ہے۔ وہ نقش سلیمانی اور لوح دیجیے کہ دھو کر پلا دیں۔'' یہ خبر سن کر شہزادہ گھبرا گیا۔ ایسے ہوش اڑے کہ بے سوچے سمجھے لوح اور نقش اس کے حوالے کر دیے۔

لوح اور نقش کا دینا تھا کہ نقشہ بگڑ گیا۔ ایسی ہولناک آواز ہوئی کہ سب گھبرا گئے۔ جو جہاں بیٹھا تھا وہیں بیٹھا رہ گیا۔ غور کیا تو پتہ چلا کہ ہر ایک جان دار، کیا انسان، کیا حیوان سب کا نیچے کا آدھا دھڑ پتھر کا ہو گیا۔ یہ ایسی مصیبت آ پڑی تھی کہ ہر طرف کہرام مچ گیا۔ دیکھتے دیکھتے کالی گھٹا گھر آئی۔ سب ڈرے سہمے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ اس ابر میں سے ایک خون خوار اژدہا نکلا جس کے منہ سے شعلے نکلتے تھے۔ اس اژدہے پر غصے سے بھری ہوئی ایک عورت سوار تھی۔ جان عالم نے پہچانا کہ وہی جادوگرنی ہے۔ یقین ہو گیا کہ اب موت نزدیک آئی۔

جان عالم سے کہا۔ ''کہو اب کیا ارادہ ہے؟'' اس نے کہا۔ ''وہی جو تھا۔'' بولی ''اب

وہ نقش سلیمانی اور لوح کہاں ہے جس کے بھروسے پر کودتے تھے۔ اگر اپنی اور اپنے لشکر کی زندگی چاہتے ہو تو مہر نگار اور انجمن آرا سے رشتہ توڑو اور ہمارا حکم مانو ورنہ تم سب کی لاشیں ذرا دیر بعد چیلوں اور کوؤں کھلا دوں گی۔''

جان عالم نے جواب دیا''یہ نہیں ہوسکتا۔ اگر یوں ہی موت آئی ہے تو مر رہیں گے۔''

یہ جواب سن کر وہ جل گئی۔ غصے سے رنگت بدل گئی، کچھ بڑبڑا کر جان عالم پر پھونکا یا تو آدھا پتھر کا تھا یا حلق تک پتھر کا ہوگیا۔ اس نے اژدہے پر چڑھ کر آواز دی۔'' اے بدنصیب! آج کی اور رات کی مہلت ہے۔ اگر صبح کو حکم نہ مانا تو سارا لشکر برباد کردوں گی۔ ان میں ہر ایک کا خون تیری گردن پر ہوگا۔''

جادوگرنی تو یہ کہہ کے ہوا ہوگئی۔ ملکہ اور انجمن آرا اپنے اپنے خیموں سے گھبرا گھبرا کے پکارتی تھیں۔ جب تک وہ آدھا پتھر کا رہا جواب دیتا رہا۔ اب حلق پتھر کا ہوا تو آواز بھی بند ہوگئی۔ جواب نہ ملا تو دونوں نے سر پیٹ لیا۔ اس طرح چیخ چیخ کر روئیں جیسے کوئی کسی کے مرنے پر روتا ہے، ہر خیمے میں کہرام برپا تھا۔

اتفاق سے ادھر سے ملکہ کے باپ کا ایک شاگرداڑا جاتا تھا۔ وہ بھی اپنے استاد کی طرح جادو کے فن میں ماہر تھا۔ زمین پر اتر کے دیکھا کہ ایک بھاری لشکر مصیبت میں پھنسا ہوا ہے۔ ہر ایک کا آدھا دھڑ پتھر کا ہے۔ سمجھ گیا کہ یہ سب شہپال کے جادو میں گرفتار ہیں۔ لوگوں سے حال پوچھا۔ جب پتہ چلا کہ استاد کی بیٹی مصیبت میں مبتلا ہے تو سر پیٹ کے چلایا اور خیمے کے دروازے پر آیا۔

شہزادی نے کہا۔'' بھائی اس وقت کیسا پردہ؟ تم آپ اندر آ کے آنکھوں سے ہمارا حال دیکھ لو۔'' اندر آیا تو شہزادی کو بھی اسی حال میں پایا، بہت رویا اور چلایا۔ بولا۔''مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ شہپال کی برابری کرسکوں۔ آپ کے والد کے بغیر یہ مصیبت ٹلنی مشکل ہے۔ میں جا کے انھیں لاتا ہوں۔'' یہ کہہ کے ہوا کی طرح اڑ گیا اور اس بزرگ کے پاس پہنچ لشکر کی تباہی کا وہ سارا حال جو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اسے بتایا اور کہا کہ'' شام تک وہاں نہ پہنچے تو ان آفت

کے ماروں پر بڑی مصیبت پڑے گی اور صبح تک کوئی جیتا نہ بچے گا۔"

وہ بزرگ یہ داستان سن کے بڑے پریشان ہوئے۔ فوراً شاہین پر سوار ہو کے اس میدان پرخطر کا رخ کیا۔ شام سے پہلے وہاں آ پہنچے۔ سب کو دلاسا دیا اور جان عالم سے یہ شکایت کی کہ "نادان تو نے کہا نہ مانا۔ جو کچھ سمجھایا تھا اس کے خلاف کیا۔ تم یہ نہ کرتے تو ہم یادِ خدا چھوڑ کے اپنے باغ سے کیوں نکلتے۔" ملکہ نے عرض کیا کہ۔ "یہ وقت خفا ہونے کا نہیں۔ اس وقت جو بن پڑے وہ کرو اور ہمیں اس مصیبت سے آزادی دلاؤ۔"

بزرگ نے دور تک ایک گھیرا بنایا یعنی کچھ دعائیں پڑھ کے زمین پر دائرے کی شکل میں ایک لکیر کھینچ دی۔ یہ لکیر کیا تھی ایک مضبوط قلعہ تھا جسے کوئی پار نہ کرسکتا تھا۔ اس دائرے کے اندر جادو کا کوئی اثر نہ ہوسکتا تھا۔ ملکہ کا باپ ساری رات اس کے اندر بیٹھا عبادت کرتا رہا اور خدا سے دعائیں مانگتا رہا کہ جادوگرنی کو اس کے ہاتھوں شکست ہو۔

دن نکلا تو وہ جادوگرنی پھر اسی طرح اژدہے پر سوار آئی۔ پہلے ملکہ کے باپ کے پاس گئی اور اسے برا بھلا کہا کہ "اس بڑھاپے میں تیری کیا شامت آئی ہے کہ ہم سے مقابلہ کرنے چلا ہے۔ اب بھی باز آ جا ورنہ جادو کے زور سے تیرا کام تمام کردوں گی۔" اس بزرگ نے جواب دیا کہ "میں جیوں اور میرے عزیز، میرے پیارے اس دنیا میں نہ رہیں تو ایسی زندگی سے موت بھلی۔ ہار جیت تو خدا کے ہاتھ ہے۔ آ تو بھی اپنے جی کی حسرت نکال لے۔"

جادوگرنی کو یہ جواب سن کر اور بھی غصہ آیا۔ فوراً شیرنی کی صورت بنائی۔ اس بزرگ نے بھی مدد کے لیے شیر خدا کو آواز دی اور شیر کی شکل اختیار کی۔ دونوں طرف سے حملے ہونے لگے۔ جادوگرنی دبنے لگی تو اس نے عقاب کی شکل بنائی اور اڑنے لگی۔ اس نے بھی خود کو باز بنایا اور اس کا پیچھا کیا۔ ذرا سی دیر میں باز نے عقاب کی گردن دبوچ لی۔ وہ بہت تڑپی مگر اس کے پنجے سے نہ چھوٹ سکی۔ آخر کو مر گئی۔ اس کے مرتے ہی زبردست شور اٹھا، زمین آسمان چکر کھانے لگے، زبردست آندھی آئی اور جادو کا کارخانہ درہم برہم ہوگیا۔

شام کے قریب دھند چھٹ گئی۔ سب نے ایک دوسرے کو پہچانا، لشکر جادو کے پنجے

سے چھوٹا۔ سب شکر یہ ادا کرنے کو اس بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ اس گھیرے کے اندر ایک اسی نوے برس کی بوڑھی مری پڑی ہے۔ کمر دوہری ہوگئی ہے۔ منہ میں ایک دانت نہیں۔ چہرہ الٹے توے کی طرح کالا ہے، سارے بال سفید ہیں، مانگ میں پھر بھی سندور بھرا ہے۔ اہل لشکر نے جادوگرنی کی یہ درگت دیکھی تو خدا کا شکر ادا کیا۔

اس بزرگ نے فرمایا کہ ابھی قصہ تمام نہیں ہوا۔ ایک معرکہ اور باقی ہے۔ جادوگرنی تو مرگئی مگر ابھی اس کا باپ زندہ ہے اور وہ جادوگروں کا بادشاہ ہے۔ شہپال اس کا نام ہے۔ وہ اپنی بیٹی کا بدلہ لینے آئے گا اور قیامت مچائے گا مگر گھبراؤ مت دشمن طاقت ور ضرور ہے مگر سب سے زیادہ طاقت والا وہ ہے جو ہم سب کا رکھوالا یعنی اللہ تعالیٰ ہے۔

یہ کہہ کے اس بزرگ نے ماش کے دو دانے اس کے دائیں بائیں پھینکے۔ دو جانور عجیب صورت کے پیدا ہوئے۔ چہرے ہرن کے اور دھڑ مور کا۔ ان کے سینگ یاقوت کے تھے۔ آنکھیں ہیرے کی اور پر زمرد کے۔ اس نے دو ٹھیکریوں پر کچھ لکھ کے ڈالا۔ وہ انھیں اپنی اپنی چونچ میں لے کے اڑ گئے۔

صبح ہوئی تو زور کی آندھی چلی۔ دو طرف سے جادوگروں اور جادوگرنیوں کے غول اڑتے ہوئے آئے اور میدان میں اپنی صفیں جمالیں۔ جان عالم نے بھی اپنی فوج کی صفیں درست کرلیں۔ بزدلوں کے دل دہلنے لگے، بہادر اپنی تلواریں تولنے اور کسنے لگے۔ انجمن آرا اور مہر نگار نے بھی ایک اونچے ٹیکرے پر خیمہ لگوایا اور اس کو دیکھنے چلمنوں کے پیچھے آبیٹھیں۔

اب شہپال جادوگر اس آن بان سے آیا کہ چالیس خونخوار آگ اگلنے والے اژدہے اس کا تخت اٹھائے تھے۔ نو لاکھ جادوگر اس کے دائیں بائیں تھے اور پیچھے ایسی زبردست فوج کہ کسی نے روئے زمین پر نہ دیکھی ہوگی۔ شہپال نے پہلے تو بزرگ کے پاس اپنا ایلچی بھیجا اور اسے ہر طرح ڈرایا دھمکایا مگر وہ تو ہمت کا پتلا تھا کسی طرح ہار ماننے کو تیار نہ تھا۔

آخر جنگ شروع ہوئی۔ پہلے دونوں طرف سے جادوگر لڑے۔ دونوں طرف کے جادوگروں نے عجب عجب تماشے دکھائے اور جادو کے گولے اپنے اپنے دشمن کی فوج پر پھینکے،

کبھی پتھر برسائے۔ جادوگری ختم ہوئی تو تیروتلواور اگرز و نیزے کی لڑائی شروع ہوئی۔ دونوں طرف سے تلواروں کی بجلیاں چمکیں، گرز چلے، تیر برسے، ایسی جنگ ہوئی کہ سارا میدان کانپ اٹھا۔ ہرطرف کشتوں کے پشتے لگ گئے۔خون کی ندیاں بہ گئیں۔

اس جنگ میں شہپال کو زبردست ہار ہوئی اور ملکہ کے باپ نے اس کا سرتن سے الگ کردیا۔ اس کی فوج کے سپاہی جو بچ رہے تھے ان کا جدھر کو منہ اٹھا بھاگ کھڑے ہوئے۔ وہ علاقہ اس کا قلعہ جان عالم کے قبضہ میں آیا۔ اسے سب سے زیادہ تلاش اس نقش اور لوح کی تھی جو جادوگرنی نے دھوکے سے اڑالی تھی۔ بڑی تلاش کے بعد وہ دونوں چیزیں ہاتھ آئیں۔

ملکہ کا باپ اب رخصت ہونا چاہتا تھا۔ اس نے روانہ ہونے سے پہلے جان عالم کو بہت سی نصیحتیں کیں اور سارے اونچ نیچ سمجھائے۔ راستے میں جتنے خطرے ہوسکتے تھے ان سب سے آگاہ کیا اور کہا۔ ''میرے عزیز! اب کوئی ایسی حرکت نہ کرنا کہ پھر مصیبت کا سامنا کرنا پڑے اور ہمیں باغ چھوڑنا پڑے۔ لو اللہ تمھارا نگہبان اور اس کا رسول تمھارا مددگار ہے۔''

شہزادے کا جہاز تباہ ہونا

ادھر وہ بزرگ اپنے باغ کو روانہ ہوا، ادھر جان عالم نے کوچ کیا۔ ایک دن دریا کے کنارے قیام ہوا۔ شہزادہ دریا کے کنارے کھڑا سیر کرتا تھا۔ سامنے سے ایک بہت بڑا اور شان دار جہاز کنارے کی طرف آتا دکھائی دیا۔ اس نے سمجھا کوئی سوداگر ہے کہ تجارت کا مال لیے پھرتا ہے۔ کنارے پہنچ کے جہاز نے لنگر کیا۔ کئی لوگ جہاز سے اتر کے شہزادے کی خدمت میں حاضر ہوئے، بولے۔ ''ہم لوگ ملاح ہیں۔ جو بادشاہ، شہزادہ یا امیر یہاں تشریف لاتا ہے، ہم اسے دریا کی سیر کراتے ہیں، عجیب عجیب دریائی جانور دکھاتے ہیں اور جو انعام ہمارے نصیب میں ہوتا ہے پاتے ہیں۔''

یہ سن کر شہزادے کے دل میں سیر کا شوق پیدا ہوا۔ ملکہ کو بھی ساتھ لینا چاہا۔ وہ ڈرتی تھی ایک مصیبت سے چھوٹے ہیں کہیں دوسری مصیبت میں نہ پڑیں۔ اس نے شہزادے کو سمجھایا کہ سیر کا خیال دل سے نکال دے مگر وہ نہ مانا اور اکیلا جانے کو تیار ہوا۔ شہزادیوں نے دیکھا کہ شہزادہ نہیں مانتا تو وہ خود بھی سفر کے لیے تیار ہو گئیں۔ سب جہاز پر سوار ہو گئے۔

تھوڑی دیر تو سیر دل چسپ رہی۔ پھر ایک زبردست طوفان اٹھا۔ جہاز کسی چٹان سے ٹکرا کے ٹکڑے ہو گیا۔ سب ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ شہزادے کو ہوش آیا کہ ایک تختے پر پڑا ہے اور وہ تختہ کنارے پر آ لگا ہے۔ شہزادے میں اٹھنے کی طاقت نہ تھی مگر ہمت کر کے اٹھا اور ایک

طرف کو چل پڑا۔ ذرا دور ایک بستی تھی۔ وہاں پہنچا۔لوگوں نے حال پوچھا اور کھانا پانی پیش کیا۔ یہ شہزادیوں کے بچھڑنے سے ملول تھا۔کھانے کو جی نہ چاہتا تھا مگر لوگوں کے سمجھانے سے دو لقمے لے لیے، پانی پیا۔ ذرا طبیعت ٹھہری تو شہزادے نے لوگوں کو اپنا حال سنایا۔سب سن کے افسوس کرنے لگے۔

ایک شخص نے بتایا کہ۔'' یہاں سے دو منزل دور ایک پہاڑ ہے۔اس پر ایک جوگی رہتا ہے۔ جو کوئی اس کے پاس جاتا ہے اپنے دل کی مراد پاتا ہے۔آج تک کوئی اس کی کٹیا سے مایوس نہیں پھرا۔'' یہ سن کے شہزادے کی جان میں جان آئی۔اسی وقت چلنے کا ارادہ کیا مگر لوگوں نے روکا کہ ابھی آرام کرنا ضروری ہے۔

اگلی صبح جان عالم اس پہاڑ کا پتہ پوچھ کے روانہ ہو گیا۔چار دن کا سفر کر کے سنگ سفید کے پہاڑ پر پہنچا۔کسی طرح اس کی چوٹی پر چڑھا۔دیکھا کہ ایک جوگی جس کی عمر سو سوا سو برس سے کم نہیں تھی جٹائیں اور داڑھی بڑھائے، دھونی رمائے اور بدن پر بھبھوت ملے بیٹھا ہے اور گیان دھیان میں ڈوبا ہے۔سر پر کھاروے کی جھنڈی اڑ رہی ہے۔اس پر کلمہ لکھا ہوا ہے۔ماتھے پر قشقہ لگا ہے مگر پاس تسبیح اور مصلیٰ رکھا ہے۔شہزادے نے ایسا منظر کبھی نہ دیکھا تھا۔اس کے سامنے ہاتھ باندھ کے جا بیٹھا۔جوگی نے آہٹ پائی تو آنکھیں کھول دیں۔

شہزادے نے جھک کر سلام کیا۔جوگی نے جواب دیا۔'' بھلا ہو بچہ! بڑی مصیبت اٹھا کے یہاں تک آئے ہو، بیٹھو۔گرو بھلا کرے، خدا تمھارے دل کی اِچھا پوری کرے۔ہم چلنے کو تیار تھے مگر تمھاری امانت لیے بیٹھے تھے۔ ہمارے گرو نے ایک دن بتایا تھا کہ ایک شہزادے کا جہاز ڈوبے گا، وہ اپنے پیاروں سے بچھڑے گا۔ پھر وہ تجھے ڈھونڈتا یہاں تک آئے گا، اپنی مراد پائے گا اور اس کے دیکھنے سے تیرا کام پورا ہو جائے گا۔بھگوان نے جیسے جڑواں بھائیوں کا کام بنایا تھا۔ایسے ہی تیرا بھی بنائے گا۔''

جان عالم کے دل میں جڑواں بھائیوں کا حال جاننے کی خواہش پیدا ہوئی۔اس نے جوگی سے پوچھا کہ ان کا کیا قصہ ہے۔اس پر جوگی نے یہ کتھا سنائی۔

جڑواں بھائیوں کی کہانی

ایک شہر میں دو جڑواں بھائی رہتے تھے۔ دونوں کو سیر اور شکار کا بہت شوق تھا۔ ایک دن دونوں شکار کو نکلے۔ ایک ہرن دکھائی دیا۔ چھوٹے بھائی نے تیر مارا مگر وہ نہ لگا اور ہرن چوکڑیاں بھرنے لگا۔ انھوں نے بھی گھوڑے ان کے پیچھے ڈال دیے اور بہت دور نکل آئے۔ آخر بڑے بھائی کے تیر سے وہ ڈگمگا کر گرا۔ ان دونوں نے اسے ذبح کیا اور وہیں آگ پر بھون کے کھایا۔ تھکے ہوئے تھے۔ پیٹ بھرا تو نیند آنے لگی۔ چاروں طرف جنگل بیابان تھا۔ جنگلی جانور اور سانپ بچھو کا ڈر تھا۔ اس لیے یہ مشورہ ہوا کہ پہلے بڑا بھائی سوئے اور چھوٹا جاگ کے پہرہ دے۔ پھر آدھی رات چھوٹا سوئے اور بڑا پہرہ دے۔

غرض یہ کہ بڑا بھائی سو گیا۔ چھوٹا تیر کمان لیے پہرہ دینے لگا۔ جب آدھی رات گزری تو ایک درخت پر دو پرندے اپنی اپنی تعریف کرنے لگے۔ ایک بولا ''میرے گوشت میں یہ تاثیر ہے کہ جو کھائے ایک لعل تو پہلے ہی دن ذرا سی دیر میں اگلے، پھر ہر مہینے اس کے منہ سے ایک لعل نکلے۔'' دوسرے نے کہا ''جو شخص میرا گوشت کھائے وہ اسی دن بادشاہ ہو جائے۔'' یہ جانوروں کی بولی سمجھتا تھا۔ ساری بات سمجھ گیا۔ تاک کے تیر مارا تو دونوں اس میں چھد کے زمین پر آ گرے۔

اس نے دونوں کے کباب بنائے۔ جس پرندے کے گوشت میں بادشاہ بنانے کی

تاثیر تھی اس کے کباب خود کھائے، دوسرے پرندے کے کباب بھائی کے لیے اٹھا رکھے۔ خوشی اتنی تھی کہ بڑے بھائی کو پہرہ دینے کے لیے نہ جگایا خود ہی تیر کمان لیے ٹہلتا رہا۔ دو گھڑی کے بعد اس نے لعل اگلا تو سمجھ گیا کہ دھوکا ہو گیا۔ جس کا گوشت کھانا چاہتا تھا وہ چوک سے بھائی کے لیے رکھ دیا اور دوسرے کا خود کھالیا۔ دل میں سوچا یہ سب قسمت کے کھیل ہیں۔ جو خدا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔

دن نکلا تو اس نے بڑے بھائی کو جگایا۔ دوسرے کے کباب اسے کھلائے۔ پھر سارا قصہ سنایا اور کہا۔ ''بھائی سلطنت مبارک ہو۔'' یہ کہہ کے وہ لعل اسے نذر کیا۔ وہ بہت خوش ہوا۔ بولا یہ قیمتی لعل لے کر ہم گھر جائیں گے تو ہم سے کوئی نہ خریدے گا۔ سب شک کریں گے کہ اس کے پاس کہاں سے آیا۔ سامنے آبادی نظر آتی ہے۔ تم یہاں ٹھہرو۔ میں وہاں جا کر لعل فروخت کر آتا ہوں۔''

یہ کہہ کر ادھر چلا۔ شہر کے دروازے پر پہنچا۔ بڑی بھیڑ نظر آئی۔ اس شہر کا یہ دستور تھا کہ بادشاہ مر جاتا تو اسے دفنانے کے بعد امیر وزیر تخت لے کر شہر پناہ کے دروازے پر آجاتے۔ جو آدمی پہلے داخل ہوتا اسی کو بادشاہ بنا دیتے۔ یہ جیسے ہی داخل ہوا، لوگوں نے اسے تخت پر بٹھالیا، سلامی دی، نذریں پیش کیں۔

اس دن تو خوشی میں اسے بھائی کا خیال ہی نہیں رہا۔ اگلے دن بہت ڈھونڈ وایا مگر پتہ نہ چلا۔ لعل کو اس کی نشانی سمجھ کے وہ روز دیکھتا اور اسے یاد کرتا تھا۔

چھوٹے بھائی پہ یہ گزری کہ ایک ڈراؤنی شکل کا پرندہ آیا اور اسے پنجے میں دبا کے لے اڑا۔ بہت دور جا کر وہ پرندہ اک کنویں کی جگت پر بیٹھا تو یہ چھوٹ کے اندر جا گرا۔ اتفاق دیکھو کہ اسی وقت ادھر سے ایک قافلہ گزرا۔ کسی نے پانی بھرنے کو ڈول کنویں میں ڈالا تو یہ رسی کے سہارے باہر نکلا۔ لڑکا اچھی شکل کا تھا، قافلے کے سردار نے اسے غلام بنا کے اپنے پاس رکھ لیا۔

ادھر یہ قافلہ منزل پر پہنچا اور ادھر مہینہ پورا ہوا۔ اس نے دوسرا لعل اگلا۔ سوداگر نے سوچا ایسی قیمتی چیز چپ چاپ نہ رکھو۔ پتہ نہیں کل کیا ہو۔ اس کی شہرت ہو جائے۔ سوداگر لڑکے کو

کوتوال کے پاس لے گیا کہ اس نے میرا لعل چرایا ہے اسے بند کر دو۔کوتوال نے اسے رات بھر حوالات میں رکھا۔صبح بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا۔اس کے ایک اکلوتی بیٹی تھی جس کی ہوشیاری اور لیاقت کا دور دور چرچا تھا۔سارے مقدموں کے فیصلے وہی کرتی تھی۔

شہزادی نے لڑکے سے پوچھا۔''تو نے لعل چرایا ہے۔'' یہ جان سے عاجز تھا۔بولا۔ ''ہاں چرایا ہے۔'' شہزادی نے اس وقت کچھ نہ کہا۔اپنی ڈیوڑھی میں قید کر دیا۔پھرا کیلے میں بلا کے پوچھا۔لڑکے نے سارا قصہ سنایا۔شہزادی سن کے خوش ہوئی کہ اس کا خیال ٹھیک تھا۔یہ لڑکا چور نہیں ہوسکتا۔اگلے دن دربار میں بادشاہ کو شہزادی نے سارا ماجرا سنایا۔اسے یقین نہ آیا۔ شہزادی نے کہا۔'' آزمانا کیا مشکل ہے۔کچھ دن اسے اپنے پاس رکھو۔لعل اگلے تو سچا ورنہ جھوٹا۔'' یہ بات سب کو پسند آئی۔

مدت پوری ہوئی تو لڑکے نے لعل اگلا۔ہر ایک پر اس کا سچا ہونا ثابت ہوگیا۔شہزادی پہلے ہی اسے پسند کرنے لگی تھی۔اب سارے درباریوں نے کہا کہ یہ ایسا اچھا لڑکا ہے کہ دامادی میں لیے جانے کے لائق ہے۔آخر دونوں کی شادی ہوگئی۔

کوئی سال بھر گزرا ہوگا کہ بڑے بھائی کا ایلچی اس بادشاہ کے دربار میں آیا۔لعل و جواہرات کی بات نکلی تو اس نے کہا۔'' ہمارے بادشاہ کے پاس ایسا لعل ہے کہ کہیں دیکھا نہ سنا۔ بادشاہ روز اسے دیکھتا ہے۔اس بادشاہ نے یہ سنا تو دس بارہ لعل جو اس عرصہ میں اس کے داماد نے اگلے تھے سامنے رکھوا دیے۔وہ دیکھ کے حیران ہوا۔بادشاہ نے اپنے داماد کی طرف اشارہ کر کے کہا۔'' یہ ہر مہینہ ایک لعل اگلتا ہے۔'' یہ بات سن کے ایلچی اور بھی حیران ہوا۔لڑکے کو دیکھا تو اپنے بادشاہ کا ہم شکل پایا۔

ایلچی نے واپس آ کر یہ سارا قصہ اپنے بادشاہ کو سنایا کہ حضور کی شکل کا ایک لڑکا ہے جو ہر مہینے ایسا لعل اگلتا ہے جیسا آپ کے پاس ہے۔وہ سن کے سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو یہ میرا بھائی ہے۔ اسے محبت سے بھرا خط لکھا کہ جلد مجھ سے آ ملو۔

اس نے خط پایا تو بھائی کی محبت نے جوش مارا۔شہزادی کو ساتھ جہاز میں بٹھایا اور

چل نکلا۔ قسمت دیکھو راستے میں یہ جہاز تباہ ہوگیا۔ شہزادی کسی طرح بڑے بھائی تک پہنچی اور جہاز ڈوبنے کا قصہ سنایا۔ اسے بڑا ملال ہوا۔ چھوٹے بھائی پہ یہ گزری کہ ڈوبتا اچھلتا ایک تختے کے سہارے کنارے پہنچا۔ پھر پتہ پوچھتے پوچھتے بڑے بھائی کے دربار تک پہنچا۔ اس کی حالت اتنی خراب ہوگئی تھی کہ کوئی پہچان نہ سکا۔ اس نے کہا۔ ''ذرا دیر بعد لعل اگلوں گا تب تم سب کو یقین ہوگا۔''

شہزادی نے کہا۔ ''میرا شوہر بڑا ذہین، بڑا عقل مند تھا۔ ایک معما پوچھتی ہوں۔ تو نے صحیح جواب دیا تو تو وہی ہے۔ بتا وہ کیا چیز ہے جسے ہندو، مسلمان یہودی، عیسائی سب کھلے بندوں کھاتے ہیں مگر اس کا سر کاٹ لو تو زہر ہوجائے جو کھائے مرجائے۔''

جوان نے ہنس کے کہا ''شہزادی، وہ چیز قسم ہے۔'' یہ سنتے ہی شہزادی چلمن اٹھا کے دوڑی اور اس کے قدموں پر گر پڑی۔ کہا ''بے شک تو وہی ہے۔ میں نے تجھے پہچانا۔''

بادشاہ نے حیرت سے کہا کہ ''ہم تو کچھ نہ سمجھے۔''

جوان نے عرض کیا۔ ''قبلہ۔'' وہ چیز قسم ہے جسے تمام عالم کھاتا ہے۔ اس کا سر ''قاف'' ہے۔ اسے کاٹ لو تو صرف ''سم'' رہ جاتا ہے۔ سم زہر کو کہتے ہیں۔ اسے کھانے والا مرجاتا ہے۔''

بادشاہ نے اٹھ کے اسے گلے سے لگالیا۔ ذرا دیر میں اس نے لعل اگلا۔ ہر طرف خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔

یہ قصہ سنا کے جوگی نے کہا۔ ''دیکھا تو نے، خدا چاہے تو بچھڑے اس طرح ملتے ہیں۔''

انجمن آرا سے ملاقات

جوگی نے کہا۔'' میں کوئی دم کا مہمان ہوں۔ مرجاؤں تو میری آخری رسمیں پوری کر دینا اور داہنی طرف کو چلے جانا۔ اللہ چاہے منزل ملے گی۔'' پھر اسے کوئی منتر سکھایا کہ اسے پڑھو پھر جس جانور کا دھیان کرو خود وہی بن جاؤ۔ اتنا کہہ کے جوگی لیٹ گیا اور پرلوک کو سدھارا۔ جان عالم کو بڑا غم ہوا۔ اس نے دفن کرنا چاہا تو دیکھا کہ چادر میں پھولوں کے سوا کچھ نہیں۔ آدھی چادر اس کے مریدوں نے آپس میں بانٹ لی اور آدھی اس کے چیلوں نے۔

اب جان عالم جوگی کے بتائے ہوئے راستے پر چلا۔ ذرا دور چل کے دیکھا کہ دریا میں ایک قیمتی لعل تیر رہا ہے۔ ذرا آگے چلا تو ایسا ہی لعل اور دیکھا۔ پھر پتہ چلا کہ یہ سلسلہ دور تک چلا گیا ہے۔ کنارے کنارے چلتے ہوئے ایک عالی شان عمارت تک پہنچا۔ یہ چشمہ یہیں نکلا تھا مگر اندر جانے کا کوئی راستہ نہ پایا۔ اس نے جوگی کے بتائے ہوئے منتر کو آزمایا اور بلبل بن کے دیوار پر جا بیٹھا۔ اندر باغ تھا، بنگلہ تھا مگر آدمی کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ یہ دیوار سے اڑ کے زمین پر آیا اور پھر اپنی اصلی شکل اختیار کر لی۔

اپنی اصلی شکل میں آنے کے بعد شہزادہ آگے بڑھا اور بنگلے میں داخل ہوا۔ یہاں عجب ماجرا دیکھا کہ زمرد کے پایوں کا ایک پلنگ بچھا ہے۔ اس پر کوئی دوشالہ تانے سوتا ہے۔ اس کے پاس ہی یاقوت کی تپائی پر گل دان میں سرخ اور سفید پھول سجے ہیں۔ جان عالم نے قدم بڑھا

کے دوشالہ سرکایا۔ دیکھا خالی بدن ہے، سرغائب ہے۔ اِدھر اُدھر دیکھا۔ اچانک چھت پر نظر پڑی تو دیکھا کہ چھینکے میں سر دھرا ہے۔ اس کے نیچے نہر بہتی ہے۔ اس میں سر سے قطرہ قطرہ خون ٹپکتا ہے اور لعل بن جاتا ہے۔ سمجھ گیا کہ یہ سب جادو کا کارخانہ ہے۔

قریب جا کے غور سے دیکھا تو پہچانا کہ سر انجمن آرا کا ہے۔ سر و تن کا ہوش نہ رہا۔ چاہا کہ سر ٹکرا کے جان دے دے۔ پھر سوچا کہ مرجانا کیا مشکل ہے مگر پہلے یہ جان لوں کہ اس کا کیا بھید ہے۔ اتنے میں شام ہوگئی، زور کی آندھی آنے لگی۔ جان عالم کو اب اچھا خاصا تجربہ ہو چکا تھا، سمجھ گیا کہ کسی دیو یا جن کی آمد ہے۔ اب چھپ جانا چاہیے۔ ذرا دیر میں ایک قوی ہیکل ہیبت ناک دیو آ پہنچا۔ اس نے گلدستے سے ایک سفید پھول لے کے سر کو سنگھایا۔ وہ فوراً اچھل کے بدن سے آ جڑا۔ انجمن آرا اٹھ بیٹھی۔

دیو نے انجمن آرا سے کہا کہ۔ ''آج انسان کی بو آتی ہے'' شہزادی نے جواب دیا ''تو دیوانہ ہوا ہے۔ یہاں دور تک نہ آدم ہے نہ آدم زاد۔ صبح تک وہ دیو ملکہ کو اِدھر اُدھر کی باتیں سناتا رہا۔ وہ بے دلی سے ہاں ہوں کرتی رہی۔ دن نکلنے لگا تو اس نے گلدان سے سرخ پھول لے کے اسے سنگھایا سر پھر اسی طرح دھڑ سے الگ ہو کے چھینکے میں لٹک گیا۔ دیو نے دھڑ کو دوشالے سے ڈھکا اور وہاں سے چلا گیا۔

دیو کے چلے جانے کے بعد شہزادہ پھر اپنی شکل میں آیا اور سفید پھول توڑ کے انجمن آرا کو سنگھایا۔ پہلے کی طرح سر بدن سے جڑ گیا اور وہ اٹھ بیٹھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پہچانا۔ دونوں اس زور شور سے روئے کہ سارا باغ دہل گیا۔ ادھر سے اتفاقاً اُسی وقت ایک سفید دیو کا گزر ہوا۔ وہ بہت نیک و رحم دل تھا۔ اس نے رونے کی آواز سنی تو سمجھ گیا کہ کوئی انسان مصیبت میں پھنسا ہے۔ باغ میں پہنچا۔ حال پوچھا۔ شہزادے نے ساری کہانی سنائی۔ اسے ترس آیا۔ بولا ''فکر نہ کر اب وہ موذی آئے گا تو اپنے انجام کو پہنچے گا۔'' اتنے میں وہ ظالم بھی آ پہنچا۔ تینوں کو باغ میں ٹہلتے دیکھا تو بہت غضبناک ہو کر حملہ آور ہوا۔ سفید دیو نے دیکھتے دیکھتے اسے گرا لیا۔ شہزادے نے آگے بڑھ کے اس کی گردن سر سے جدا کر دی۔

اس ظالم سے چھٹکارا پا کے اور سفید دیو کا شکر یہ ادا کر کے مہر نگار کی تلاش میں روانہ ہوئے۔ چلتے چلتے پیروں میں چھالے پڑ گئے تو شہزادے نے جوگی کا بتایا ہوا عمل انجمن آرا کو بتایا اور دونوں توتے بن کے اڑ چلے۔

مہر نگار کا احوال

اب مہر نگار کا حال سنو۔ جہاز تباہ ہوا تو یہ بھی ایک تختے کے سہارے ڈوبتی تیرتی چلی جاتی تھی۔ سامنے سے کسی بادشاہ کا جہاز آتا تھا۔ اس نے ترس کھا کے پن سوئی دوڑائی اور اس کی جان بچائی۔ قریب سے تو چہرہ ماہتاب بلکہ آفتاب۔ بادشاہ جی جان سے اس پر فدا ہو گیا۔ ہوش میں لانے کی تدبیریں کیں۔ شہزادی بڑی مشکل سے ہوش میں آئی، سامنے ایک اجنبی کو دیکھ کے شرمائی، سر جھکا لیا، اور مارے شرم کے پسینہ پسینہ ہوگئی۔ اس نے بہت پوچھا کون ہو مگر اس نے صرف یہی بتایا کہ ہم تو آفت کے مارے ہیں۔ اس نے دنیا دیکھی تھی سمجھ گیا کوئی شہزادی ہے مگر مصیبت کی ماری ہے۔

ایک دن بادشاہ نے مہر نگار سے کہا ''اب تم تنہائی میں گھبراتی ہو۔ تمھارا ڈوبنا اور تیرنا تو محض بہانہ تھا خدا کو اسی طرح ملانا تھا، امیدوار ہوں کہ مجھ سے شادی کر لو۔'' ملکہ نے سوچا اب ہر طرح اس کے اختیار میں ہوں۔ یہ زبردستی کرلے تو میں کیا کرلوں گی مگر ٹالنے کو کہا۔ ''مجھے ایک سال کی مہلت دو۔ اس عرصہ میں میرا کوئی وارث ادھر آ نکلا تو اچھا ہے ورنہ تیرے اختیار میں ہوں۔'' اس نے بھی سوچا ڈوب کے کون ابھرا ہے۔ ایک سال کی مدت کیا، پلک جھپکتے گزر جائے گی۔

بادشاہ نے ملکہ کے رہنے کو ایک خوب صورت محل دے دیا۔ اس میں ایک خوب صورت باغ تھا اور باغ بھی ایسا کہ جو جنت کے باغ کو شرماتا تھا۔ ملکہ اکثر شام کو باغ میں ٹہلتی

اور اپنا غم غلط کرتی۔ ایک شام کو دل کچھ زیادہ ہی بھر آیا۔ بے اختیار ہو کے رونے لگی۔ درختوں پر پرندے بسیرہ لیتے تھے۔ جس درخت کے نیچے ملکہ کھڑی تھی اس کی ایک ٹہنی پر ایک توتا آبیٹھا۔ اس نے ملکہ کو ایسے بلک بلک کر روتے دیکھا تو اس کا حال پوچھا۔ ملکہ کو ایسا کون نصیب تھا جو اس کی حالت پوچھے، توتے نے پوچھا تو ساری کہانی اسے کہہ سنائی۔

توتے نے ساری داستان سنی تو زمین پر گر کے پر نوچنے لگا۔ ملکہ حیران ہوئی کہ اسے کیا ہو گیا۔ گھڑی بھر میں توتا سنبھلا تو اس نے کہا۔ ''اے ملکہ مہر نگار! میں وہی کم بخت توتا ہوں جس نے جان عالم کو انجمن آرا کے حسن کی خبر سنائی اور میں ہی اس کی بربادی کا سبب ہوں لیکن آپ پریشان نہ ہوں۔ جان عالم اور انجمن آرا دونوں سلامت ہیں۔ مجھے نجومیوں نے بتایا ہے کہ سب کے مقدر میں مصیبتیں ضرور ہیں مگر سب خیریت سے ہیں۔ ایک دن سب مل جائیں گے۔''

توتا رات کی رات تو ملکہ کے پاس رہا، صبح کو کھوئے ہوؤں کی تلاش میں اڑ چلا۔ اڑنے سے پہلے شہزادی نے جان عالم کے نام ایک خط لکھ کے اس کے بازو سے باندھ دیا۔ دن بھر ان دونوں کی تلاش میں اڑتا، رات کو تھک ہار کے کسی ٹہنی پر بیٹھ جاتا۔ ایک شام کو اتفاق سے یہ توتا اسی درخت پر آبیٹھا جس پر جان عالم اور انجمن آرا توتے کی شکل بنائے بیٹھے تھے۔ توتے کو اپنے مالک کا خیال آیا تو رونے لگا۔

انجمن آرا نے کہا۔ '' دیکھنا یہ توتا روتا ہے شاید اس نے بھی ہماری طرح رنج اٹھائے ہوں۔'' توتا تو انسان کی بولی سمجھتا تھا، کہنے لگا'' خدا تمھیں وہ غم نہ دکھائے جو میں نے سہے ہیں۔ میں ایسا بدنصیب ہوں کہ میرے سبب میرے مالک کا گھر بار چھٹا اور اسے دردر ٹھوکریں کھانی پڑیں۔''

جان عالم نے تفصیل پوچھی تو اس نے شروع سے آخر تک ساری داستان سنا دی۔ مہر نگار کی خیریت سن کے دونوں باغ باغ ہو گئے اور فوراً اپنی اصلی شکلوں میں توتے کے سامنے ظاہر ہوئے۔ توتے نے مہر نگار کا خط دیا۔ جان عالم نے اسے آنکھوں سے لگایا۔

تینوں نے رات وہیں بسر کی۔ صبح ہوتے ہی جان عالم اور انجمن آرا نے پھر توتے کی شکل بنائی اور منزل کی طرف اڑ گئے۔ آگے آگے توتا راستہ بتاتا تھا، یہ دونوں پیچھے اڑے چلے آتے تھے۔

مہر نگار سے ملاقات

جان عالم شہزادی اور توتے کے ساتھ آٹھویں دن ملکہ کے پاس پہنچا۔ جس دن سے توتا روانہ ہوا تھا، مہر نگار روز بلا ناغہ اس پیڑ کے نیچے آ کے اس کا انتظار کرتی تھی۔ اس دن بھی وہ روز کی طرح درخت کے نیچے کھڑی تھی، آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اچانک توتے نے سلام کیا۔ ملکہ نے بے چین ہو کے پوچھا ''جلدی بتا، جن کے لیے دل بے تاب ہے ان کا کہیں پتہ پایا؟'' وہ بولا ''جب پیاروں کی خبر پوچھتے ہیں تو پہلے انعام دیتے ہیں۔ میں کوئی اچھی خبر سناؤں گا تو کیا انعام پاؤں گا؟''

شہزادی سمجھ گئی کوئی اچھی خبر لایا ہے مگر توتا بات کو طول دیتا تھا۔ ملکہ بے چین ہوئی جاتی تھی۔ ان دونوں سے نہ رہا گیا، اپنی اصلی صورت میں سامنے آ موجود ہوئے۔ اس وقت تینوں کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ توتا الگ باغ باغ ہوا جاتا تھا۔ سب نے اپنے اپنے قصے سنائے، خوب ہنسے، خوب روئے۔

بادشاہ کو خبر ہوئی کہ ملکہ کے پاس ایک جوان پری زاد اور ایک حسینہ حور کی صورت کہیں سے آئے ہیں اور آپس میں ہنس بول رہے ہیں۔ اس نے فوراً سواروں کو حکم دیا کہ پورے باغ کو گھیر لو۔ رات تو اسی طرح گزری۔ صبح کو جان عالم اسم اعظم پڑھتا ہوا باغ کے دروازے پر آیا۔ جس کی نظر پڑی اسم کی برکت سے آداب بجا لایا۔ ہر ایک ہاتھ باندھ کے سامنے آیا اور اس نے

فوج بھیجی۔اس کا یہی حشر ہوا۔اب تو وہ آگ بگولہ ہو گیا اور خود ٹکر لینے کو بڑھا۔ جو فوج جان عالم کی اطاعت قبول کر چکی تھی وہ جان عالم کی طرف سے لڑی۔ کچھ سوار زخمی ہوئے۔ بادشاہ کو جان سے تو نہ مارا مگر کمند ڈال کے پکڑا اور جان عالم کے حوالے کر دیا۔

جان عالم نے اس سے کہا۔ ''تم کیسے بادشاہ ہو، مہمان کی خاطر تواضع کرنے کے بجائے اس سے لڑتے ہو۔ خیر تمھاری سلطنت تمھیں مبارک ہو۔ ہم تو مسافر ہیں آج نہیں تو کل چل دیں گے۔'' بادشاہ جان عالم سے یہ الفاظ سن کے شرمندہ ہوا، معافی چاہی اور خوب خاطر داری کی۔ کچھ دن آرام کرنے کے بعد یہ قافلہ وہاں سے روانہ ہوا۔

17

وطن کو واپسی

غرض شہزادہ جان عالم سفر کی منزلیں طے کر کے ساتھ خیریت کے اپنے وطن پہنچا۔شہر سے دو کوس دور اس کا لشکر اترا۔فسحت آباد کے گلی کوچوں میں یہ خبر گرم ہوگئی کہ کوئی طاقتور دشمن بھاری لشکر اور جنگ کا ساز و سامان لے کر حملہ آور ہوا ہے۔

شہزادے کی غیر حاضری میں شہر کا یہ حال ہو گیا تھا کہ گلی کوچوں میں خاک اڑتی تھی، بازاروں میں ویرانی برستی تھی۔ بادشاہ کو سلطنت کے معاملات میں کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ ہر وقت ایک گوشے میں پڑا اپنے نصیبوں کو کوستا تھا۔ روتے روتے دونوں میاں بیوی آنکھیں کھو بیٹھے تھے۔سلطنت کے پرانے نمک خوار حکومت کا کاروبار کسی نہ کسی طرح چلا رہے تھے۔

فوج کے اترنے کی خبر سن کر وزیر اعظم خود شہر سے باہر آیا۔ دیکھا ایک زبردست لشکر دور تک سمندر کی طرح موجیں مار رہا ہے، خون خرابے کا ڈر ہوا۔شہزادے کی خدمت میں حاضر ہوا مگر اسے پہچان نہ پایا، بولا ''اس ملک پر پہلے ہی آفت آئی ہے۔ وہ چراغ نہ رہا جس سے بادشاہ کی آنکھیں روشن تھیں۔اب تو وہ سچ مچ اندھا ہو گیا ہے۔ اگر تخت و تاج کی خواہش ہے تو وہ حاضر ہے مگر خون خرابے سے ہاتھ اٹھائیے۔''

جان عالم یہ سن کے رو دیا۔ وزیر کو گلے سے لگا، خلعت دیا اور بولا۔''افسوس تم نے اپنی گود کے پالے کو نہ پہچانا۔اب جو اس نے غور سے شہزادے کو دیکھا تو پہچان گیا کہ یہ جان عالم

ہے۔ بلا اجازت دوڑا اور بادشاہ کو خوش خبری سنائی کہ یہ اجڑا نگر پھر آباد ہوا۔ میاں بیوی نے یہ خوش خبری سنی تو آنکھوں کی روشنی پھر سے لوٹ آئی۔

بادشاہ سوار ہو کے اپنے بیٹے اور بہوؤں کو لینے آیا۔ تینوں نے ادب سے قدم چوما۔ بادشاہ نے بہت سی دعائیں دیں۔ ساری رعایا استقبال کو امڈ پڑی۔ یہ قافلہ وہاں سے محل کے لیے روانہ ہوا۔ سارے راستے منوں سونا اور چاندی ان کے سروں پر سے نثار کیے گئے۔ جان عالم کی ماں نے انجمن آرا اور ملکہ مہر نگار کو دیکھا، دونوں پر جان و دل نثار کیا۔ چاروں طرف سے مبارک سلامت کی آوازیں آنے لگیں۔

انجمن آرا اور ملکہ مہر نگار ماہ طلعت سے ملنے کو بے تاب تھیں۔ بادشاہ نے منع کیا کہ وہ بہت مغرور اور منہ پھٹ ہے مگر انھیں ملاقات کا بڑا اشتیاق تھا۔ اس لیے اس نے اجازت دے دی۔ ماہ طلعت شرمندہ ہوئی مگر دروازے تک استقبال کو آئی۔ توتے نے ماہ طلعت کو جلی کٹی سنائیں۔ بولا ''شہزادی صاحبہ! اب بتاؤ سچا کون اور جھوٹا کون؟'' انجمن آرا نے توتے کو ڈانٹا، ملکہ نے اپنی میٹھی زبان سے ماہ طلعت کا دل موہ لیا، بولی ''ہمارے بارے میں کچھ اور خیال نہ کرنا۔ ہم تو ہر طرح تمھارے دکھ سکھ کے ساتھ ہیں۔'' غرض یہ کہ جلدی ہی تینوں آپس میں گھل مل گئیں۔

اجڑا شہر پھر سے بسا، جہاں ماتم ہوتا تھا وہاں خوشیوں کے شادیانے بجنے لگے۔ جان عالم نے ساری رعایا کو شہر پناہ کے دروازے پر بلایا اور انھیں وہ بکری کا بچہ دکھایا۔ پھر اس کی نمک حرامیوں کی داستان سنائی۔ سب نے اس پر لعنت بھیجی۔ آخر جلاد نے اس کا عضو عضو الگ کر کے چیل کوّوں کو کھلا دیا۔ اسی روز فیروز بخت نے تاج و تخت بیٹے کو سونپا اور خود یادِ خدا میں مشغول ہوا۔

جان عالم نے ایسے انصاف سے کام لیا اور اتنی سخاوت دکھائی کہ رہتی دنیا تک اس کا نام روشن رہے گا۔ جس طرح جان عالم اپنے مقصد میں کامیاب ہوا خدا سب کو اسی طرح کامیاب کرے اور جیسے اس کی مرادیں پوری کیں، اسی طرح سب کی مرادیں پوری کرے۔

اُردو ادب میں لاتعداد قصے اور کہانیاں ملتی ہیں۔ ان قصوں اور داستانوں کا ایک ذخیرہ اردو ادب میں موجود ہے مگر وہ زیادہ تر مافوق الفطرت واقعات، حالات اور کردار پیش کرتے ہیں۔ جن کی زبان بہت دقیق اور مشکل ہوا کرتی تھی۔ قصہ گوئی برابر ترقی کرتی رہی اور اردو ادب میں برابر اضافہ ہوتا رہا میر امن کی تصنیف 'باغ و بہار' نے اپنا قبضہ جمالیا۔ باغ و بہار کی تصنیف کے چند سال بعد رجب علی بیگ سرور نے ''فسانۂ عجائب'' تصنیف کی یہ پچھلی تمام داستانوں اور کہانیوں سے جداگانہ خصوصیت اور مقبولیت کی حامل بنی۔ زبان کی رنگینی تشبیہ واستعارات وغیرہ نے اس کی عبارت کو لطیف بنا دیا۔ اسی سبب یہ کتاب بہت زیادہ مقبول ہوئی اردو نثر کی تاریخ میں سرور کی فسانۂ عجائب ممتاز مقام رکھتی ہے۔ ''فسانۂ عجائب'' کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں اس وقت کے سماج کا پورا عکس اُبھر کر سامنے آتا ہے۔ سرؔور نے لکھنؤ کے ماحول میں تعلیم و تربیت پائی وہاں کے حالات سے متاثر ہوئے اور وہی ''فسانۂ عجائب'' میں پیش کر دیا۔ لکھنؤ کا سماج رہن سہن وہی خیالات وافکار سب کا آئینہ اس تصنیفِ میں موجود ہے۔

رجب علی بیگ سرؔور کے اردو نثر میں متعدد تصانیف ہیں جن میں سرؔور سلطانی، گلزار سرور، انشاء سرور، شگوفۂ محبت اور فسانۂ عجائب مشہور تصانیف ہیں۔ فسانۂ عجائب کو اردو نثر میں لکھنؤ مکتبہ خیال کا پہلا قابل قدر اضافہ تصور کیا گیا ہے۔ اس کی کہانی بادشاہوں، رانیوں، پریوں اور جادوگروں کے گردِ گھومتی ہے، سرؔور نے اُردو کی روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے مقفّٰی و مسجّع عبارت کو نئے پیرائے میں پیش کیا۔ وہ ان ہی کا ملکہ ہے جس نے نظم کا لطف پیدا کر دیا تھا۔ ''فسانۂ عجائب'' میں زبان وادب ماحول، پلاٹ، کردار، واقعات، منظرنگاری سب ہی عمدہ ہیں اپنی ان خوبیوں کے سبب ہی ''فسانۂ عجائب'' صدیوں بعد بھی یکساں مقبولیت کی حامل ہے۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی، 33/9،
انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی۔ 110025

ISBN: 978-93-87510-78-4
9 789387 510784

NCPUL
New Delhi

₹ 25/-